خاندانی زندگی: قرآنی اور غیر قرآنی اسلوبِ زندگی کا تقابل

ڈاکٹر ابو سفیان قاضی فرقان احمد *

خلاصہ:

اللہ تعالیٰ نے آغازِ انسانیت سے ہی انبیاء ورسل کے ذریعے ہدایت ورہنمائی کا سلسلہ جاری رکھا ہے۔ تاکہ انسان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو الہامی تعلیمات کی روشنی میں بسر کر سکے۔ رحمانی ہدایات کے مقابل میں شیطان نے بھی بندوں کی گمراہی کا بیڑہ اٹھایا ہے اور اس نے تاکیداً کہا ہے کہ میں رحمان کے بندوں کو راہ حق سے ہٹاؤں گا۔

قرآن حکیم وہ کتاب ہے جو خاندانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر مفصل رہنمائی کرتی ہے۔ قرآن حکیم کا یہ اسلوب ہے کہ تقابلی انداز میں اوامر کو بھی بیان کرتا ہے اور نواہی کے بارے میں بھی بتاتا ہے۔ چنانچہ نہایت صراحت کے ساتھ قرآن نے خاندانی زندگی کے اِن متضاد پہلوؤں کو اُجاگر کیا ہے۔ قرآن حکیم نے جہاں مرد و عورت کے جائز تعلق نکاح پر زور دیا ہے وہاں آزاد خیالی اور بے لگامی کو زنا اور فواحش کے زمرے میں شامل کیا ہے۔ اسی طرح نکاح کے ذریعے بننے والے خاندان میں جہاں خانگی حقوق کی تاکید کی گئی وہاں ان حقوق کی عدم ادائیگی پر سرزنش اور تنبیہ کی گئی۔ اندانی زندگی میں جہاں رزق حلال اور معاشی حقوق کو لازم قرار دیا گیا۔ وہیں حرام ذرائع سے روکا گیا ہے۔ اسی طرح خاندانی زندگی کے استحکام کے لیے محرم اور غیر محرم کا تصور دیا گیا ہے۔ خاندانی زندگی کا ایک اہم مقصد افراد کی تربیت اور ایک صالح معاشرے کا قیام ہے۔ یہ تبھی ممکن ہے کہ جب حفظ مراتب اور قوانین کا پوری طرح خیال رکھا جائے۔ اس مقالہ میں قرآن کی متعدد سورہ و آیات سے استدلال کرتے ہوئے عصری تفاسیر اور معروف تعبیرات کو پیش کیا جائے گا اور مسائل کے حل پر مبنی تجاویز و آراء بھی پیش کئے جائیں گے۔

کلیدی الفاظ: اسلوبِ زندگی، خاندان، معاشرہ، تقابل، قرآن

دنیا کی سب سے خوبصورت، گرانقدر اور عزیز متاع ''سیرت و کردار'' ہے۔ زندگی تربیت گاہ ہے۔ حق تعالیٰ، خالق و رازق، مربی و معلم ہیں۔ واقعات و حادثات، وہ آلاتِ واردات ہیں جن کے ذریعے

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک سٹڈیز، یونیورسٹی آف گجرات

ہماری سیرت کی تکمیل ہوتی ہے۔ زندگی کی غایت ہی یہ نظر آتی ہے کہ اسلوبِ زندگی پر ہی دنیا اور آخرت کی نجات و فلاح کا دار و مدار ہے۔ دین و دنیا کی اصلاح بلند کرداری سے ہو سکتی ہے، اسی پر جسمانی اور روحانی صحت کا انحصار ہے۔

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا [1]

موت و حیات کی تخلیق قرآن حکیم کے الفاظ میں اس لیے ہوئی کہ اس امر کی آزمائش کی جائے کہ ہم میں کون سا شخص عمل میں اچھا ہے۔

جو انسان پاک سیرت و پاکباز نہیں وہ صورتاً انسان ضرور ہے لیکن حقیقتاً وہ حیوان ہے بلکہ اس سے بھی گرا ہوا ہے۔ ''شیاطین الانس'' میں اس کا شمار ہے۔ وہ دنیا، دین اور آخرت کی حقیقی اقدار سے محروم ہے۔ علمائے نفسیات کی باریک بیں اور دور رس نگاہ میں ان تیقنات عادات اور میلانات کا مجموعہ اس کی سیرت ہے جو فرد کے کردار کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس کو دوسروں سے ممتاز کرتا ہے اور اس کی وحدت کردار کا باعث ہے۔ صورت اور سیرت میں، صورت کی غیریت تو حقیقی واقع ہوتی ہے یہ تبدیل نہیں کی جا سکتی لیکن سیرت میں ایک قسم کی مماثلت ہو سکتی ہے۔ لیکن مماثلت کے باوجود انفرادیت موجود ہوتی ہے۔ کیونکہ عادات کی تشکیل افعال کی تکرار سے ہوتی ہے۔

انسان کی پاک سیرت بغیر صحیح علم اور عقیدہ کے ممکن نہیں، اسی طرح بغیر عمل صالح اور مجاہدہ کے اس کی تمام خوبیوں کا نمایاں ہونا بھی ممکن نہیں ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا: وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِہٖ۔ [2] اور

وَ الَّذِیْنَ جَاهدُوْا فِیْنَا لَنَهدِیَنَّهمْ سُبُلَنَا [3]

جنہوں نے ہمارے واسطے مجاہدہ کیا، ہم ان کو اپنی راہیں سجھا دیں گے۔

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جزبہ قرآں زیستن

علامہ اقبالؒ

---

[1]. الملک ۲:۶۷

[2]. الحج ۷۸:۲۲

[3]. العنکبوت ۶۹:۲۹

خلیفۃ الارض کا سہرا

اللہ رب العزت نے دنیا میں طرح طرح کی مخلوقات پیدا کیں۔ بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی! ہر مخلوق کے اپنے خواص اور ذمہ داریاں ہیں لیکن انسان کو سب سے جداگانہ اور نمایاں شکل و صورت سے بھی عطا کی: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ۔[1] اور اسے زمین پر اپنا نائب اور خلیفۃ الارض بھی قرار دیا: اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً[2] لیکن انسان اضداد کا مجموعہ ہے، خیر و شر، محبت و عداوت اور ملکیت و شیطانیت دونوں پہلوؤں کا حامل ہے۔ انسانی صلاحیتوں کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ اسے اللہ کے نائب ہونے کا اعزاز حاصل ہوا اور انسانوں ہی میں سے وہ برگزیدہ ہستیاں تشریف لائیں جنھیں ہم انبیاء و رسل کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور وہ سب بھی آدم علیہ السلام کے ہی بچے تھے جو ہامان و شدّاد اور فرعون و نمرود بن کر وہ سب کچھ کرتے رہے جس کے خیال سے آج بھی ہم کانپ اُٹھتے ہیں۔

حق تعالیٰ، انسان کو اوّل روز سے ہی سلامتی و نجات کی طرف لے جانا چاہتے ہیں :

وَ اللّٰہُ یَدْعُوْٓا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ وَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ[3]

اور اللہ تعالیٰ دار البقا کی طرف تم کو بلاتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے وہ راہِ راست پر چلنے کی توفیق دیتا ہے۔

دنیا کی زندگی میں ہم جن نشیب و فراز سے گزرتے ہیں اور جن معاملات میں خوف میں مبتلا رہتے ہیں اور تخلیقی اعتبار سے ہم جن کمزوریوں کا شکار ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نہ صرف ہمارے ان خدشات سے واقف ہے بلکہ وہ چاہتا ہے کہ انسان ان تمام معاملات میں سرخرو ہو اور ہمارا بوجھ کم سے کم ہو۔

اِنَّ اللّٰہَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَ لٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْکُرُوْنَ[4]

بے شک اللہ تعالیٰ بڑا فضل کرنے والے ہیں لوگوں کے حال پر، مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا[1]

---

[1]۔ التین ۴:۹۵

[2]۔ البقرۃ ۳۰:۲

[3]۔ یونس ۲۵:۱۰

[4]۔ البقرۃ ۲: ۲۴۳

اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ تخفیف منظور ہے اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔[1]

خالق و مالک کائنات ہم انسانوں کو اعلیٰ ترین فرحتیں اور مسرتیں عطا کرنا چاہتا ہے کہ ایسا سرور ہم اپنے لیے خود تصور بھی نہیں کر سکتے۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ جَزَآئًم بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ[2]

آنکھوں کی ٹھنڈک کا جو سامان خزانۂ غیب میں موجود ہے۔اس کی کسی کو خبر نہیں۔

دنیا میں ہر جگہ ایک کامل نظامِ الٰہی موجود ہے جس میں موافقت و ہم آہنگی اور سرور و سکینت ہے۔ اللہ کی رضا یہ ہے کہ انسانوں کی زندگی اس نظم الٰہی کے دائرے میں بسر ہو اور زمین پر رہ کر ہم انسان جنت کی خوشبو سے مہکتے رہیں۔

هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَ مَلٰٓئِكَتُه لِیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا[3]

اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے مومن پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں، حق تعالیٰ انھیں تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتے ہیں اور وہ مومن پر بہت مہربان ہیں۔

اسی زندگی میں ہمیں یہ نعمت مل سکتی ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کی رحیم ذات ہی انسانوں کو عطا فرما سکتی ہے۔

وَ مَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ[4]

اور تمہارے ہاں جو بھی نعمت ہے، وہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

اللہ کی فرمانبرداری پر اگر کامل بھروسہ کیا جائے تو انسان کی مثال اس درخت کی سی ہوتی ہے جو پانی کے چشمے کے کنارے اُگا ہوا ہو اور اسے ہمہ وقت روحانی قوت وحیات سے تازگی ملتی رہے۔

مرشدِ علامہ اقبال، مولانا رومی کے بقول :

صد چو عالم در نظر پیدا کند
چونکه چشمت را بخود بینا کند[1]

---

[1]۔ النساء۴: ۲۸

[2]۔ السجدۃ۳۲: ۱۷

[3]۔ الاحزاب۳۳: ۴۳

[4]۔ النحل۱۶: ۵۳

اگر ہماری آنکھیں حق تعالیٰ کے مشاہدے کے لیے کھل جائیں اور ہم ہدایت و نظمِ الٰہی کے دائرے میں اپنی زندگی بسر کریں تو ہماری ساری خارجی مشکلیں حل/غائب ہو جاتی ہیں۔

گر جهاں پُر برف گرد و سر بسر
تاب خور بگدازوش ازیک نظر

اس عقیدہ یا ایمان کی مضبوط چٹان پر کھڑے ہو کر زندگی کے کچھ قدیم دستور و اصول ہم سے سنو اور زندگی کے تجربات، حالات یا ماحول میں ان سے کام لو۔

خارجی زندگی، باطنی زندگی کا عکس ہے، ہماری باطنی زندگی یا نفس، جیسا ہوگا ویسا ہی عکس ہمارے خارجی حالات میں نظر آئے گا۔ ویسا ہی ہمارا آفاق ہوگا۔ آفاق تابع انفس ہے۔ آفاق میں تغیر، انفس کے تغیر کا تابع ہے۔ اس صداقت کو قرآنِ حکیم نے ایک سے زیادہ جگہ پر واضح کیا ہے۔[2]

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ[3]

واقعی اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت میں تغیر نہیں کرتا جب تک وہ لوگ خود اپنی حالت کو نہیں بدلتے۔

ایک اور جگہ ارشادِ ربانی ہے :

ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ لَمْ یَکُ مُغَیِّرًا نِّعْمَۃً اَنْعَمَھَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ[4]

یہ بات اسی سبب سے ہے کہ حق تعالیٰ کی ایسی نعمت کو جو کسی قوم کو عطا فرمائی ہو، نہیں بدلتے جب تک کہ وہ لوگ اپنے نفس کو نہیں بدل ڈالتے۔

---

[1]۔ رومی سے مراد مولانا روم (جلال الدین محمد ۱۲۰۷ تا ۱۲۷۳) ہیں جو بلخ میں پیدا ہوئے اور روم کے شہر قونیہ میں وفات پائی، شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال خود کو مولانا روم کا معنوی شاگرد کہتے تھے اور کلامِ الٰہی اور حدیث شریف کے بعد ''مثنوی مولانا روم'' سے استفادہ کرتے تھے۔ (مقالہ نگار)

[2]۔ میر ولی الدین، قرآن اور تعمیر سیرت، پروگریسو بکس، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۲۱۳

[3]۔ الرعد ۱۳: ۱۱

[4]۔ الانفال ۸: ۵۳

ان دو آیاتِ قرآنیہ سے واضح ہو رہا ہے کہ بیرون کا تغیر، ماحول کا بدلنا، حالات پر قابو پانا ہو تو باطن کا تغیر اور انفس کا بدلنا لازم ہے۔ اگر باطن میں کجی ہو، انفس خام و ناشائستہ ہو تو خارج میں کجی، ناہمواری، عدم موافقت یا دوسرے الفاظ میں درد و غم، ضیق و پریشانی کا ہونا ضروری ہے۔

باطن یا انفس سے مراد، نفس اور اس کی صفات ہیں اور ان سے پیدا ہونے والے افعال و اعمال ہیں۔ ماحول کی ناسازگاری، رنج و غم و الم، باطنی زندگی کا براہِ راست نتیجہ ہیں۔ رذائل اخلاق، اتباع ہوا، جرم و معصیت، بدکردار و گناہ گار کے لیے قرآن کریم نے وضاحت ان الفاظ میں کی ہے :

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ [1]

اور تم کو جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے، وہ تمھارے ہی ہاتھوں کے کیے ہوئے کاموں کی ہے اور بہت سے تو وہ درگزر ہی کر دیتا ہے۔

خاندان ...ایک معاشرتی ادارہ

علمائے معاشرت نے معاشرے کو ادارات میں تقسیم کیا ہے۔ انہی ادارات سے معاشرے کا ڈھانچہ تیار ہوتا ہے اور انہی ادارات کے عمل سے معاشرتی عمل کا تعین ہوتا ہے۔ معاشرتی استحکام، اس کی ترقی اور تنزل کا پتہ انہی کے ذریعے چلتا ہے۔ ایک معاشرتی ادارے کا کام انسان کی بنیادی ضروریات کی تکمیل ہے۔ آدمی کی ضروریات خوراک، تخلیق، بچوں کی پرورش اور عام بہبود کا خیال ہر معاشرے میں ادارے ہی سرانجام دیتے ہیں اور بنیادی ضروریات کی تکمیل کرتے ہیں۔ معاشرے میں بہت سے ادارے ہیں جیسے صنعتی ادارے، زرعی ادارے، حکومتی ادارے، تعلیمی ادارے، ہسپتال، عبادت گاہیں، خاندان، رضاکارانہ تنظیمیں وغیرہ۔

خاندان ایک ایسا ادارہ ہے جس کے ذریعے نکاح، طلاق، تربیت اولاد اور بزرگوں کی نگہداشت ہوتی ہے۔ خاندان کی ابتداء مرد و عورت کے باہمی تعلق سے ہوتی ہے۔ اس بنیادی تعلق کی بدولت انسانی زندگی کا کارواں آگے بڑھتا ہے۔ بچے ہوتے ہیں تو یہی مرد و عورت والدین کا روپ اختیار کرتے ہیں۔ بچے جواں ہوتے ہیں تو پھر ازدواجی رشتے بنتے ہیں اور اس طرح کنبے اور قبیلے وجود میں آتے ہیں۔ خون کے رشتے پھیلتے ہیں اور یہ وحدت پھیل کر معاشرہ بن جاتی ہے۔ انسانی زندگی کی ارتقائی کڑیاں یونہی بنتی سنورتی چلی جاتی ہیں۔ غرضیکہ خاندان کی سادہ اور ابتدائی صورت مرد و عورت کا مستحکم تعلق ہے اور وسیع تربیت میں وہ تمام عناصر

---

[1] ۔ الشوریٰ ۴۲: ۳۰

ہیں جو مرد و عورت کے ساتھ کسی نہ کسی طرح وابستہ ہیں۔ ماہرین عمرانیات نے اپنی مخصوص زبان میں خاندان کی وضاحت اس طرح کی ہے کہ ایک گروپ / گروہ جو والدین، بچوں نوکروں پر مشتمل ہو۔ معروف ماہرِ عمرانیات ایف نمکو (Meyer F. Nimkoff) اپنی کتاب Marriage and Family میں ''خاندان'' کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے :

''میاں بیوی اور اولاد پر مشتمل ایسا باہمی ربط جو نسبتاً پائیدار ہو، یہ خونی رشتے کی تنظیم ہے۔'' [1]

مساواتِ مرد وزن

پیدائش کے لحاظ سے مرد کو عورت پر کسی قسم کا درجۂ تفوق حاصل نہیں ہے۔ حکمِ خداوندی ہے :

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً [2]

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا، اور اس جاندار سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔

ان ہر دو عناصر کی متحدہ جدوجہد اور ذمہ داری بقائے نسل انسانی کی ضامن ہے۔ جس طرح مرد معاشرے کا جزو لاینفک ہے بعینہٖ عورت کا وجود انسانی معاشرے کی تکمیل و تشکیل کے لیے یکساں طور پر اہم اور ناگزیر ہے۔

خاندان کی اہمیت اور عناصر ترکیبی

ایک مستحکم خاندان کی بنیاد مرد و عورت کا تعلق ہے، اس سے بچہ وہ سکون حاصل کرتا ہے جو وہ ماں کی گود میں بیٹھ کر یا بہن بھائیوں کی معیت میں کھانے اور کھیلنے میں محسوس کرتا ہے۔ بچے کے لیے پہلا اور آخری سہارا ماں باپ ہوتے ہیں تاآنکہ وہ بڑا ہو کر آزاد اور خود مختار ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ بوڑھے والدین اور چھوٹے بہن بھائیوں کا سہارا بن جاتا ہے۔ [3]

---

[1]۔ خالد علوی، ڈاکٹر، اسلام کا معاشرتی نظام، الفیصل ناشران، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۱۵۱

[2]۔ النساء ۱:۴

[3]- Benson, Religion in Contemporary Cultures, P.777

قرآن کریم نے اہل خانہ پر مشتمل تمام افراد کو ایک خصوصی حکم دے کر یہ واضح کر دیا کہ تمہاری ذمہ داری محض اپنی ذات تک محدود نہیں بلکہ خاندان کے تمام افراد اس میں شامل ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ[1]

اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔

اچھے معاشرے کا دار و مدار مستحکم خاندان پر ہے، تاریخ انسانی پر نظر رکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ تہذیبوں اور تمدنوں کے زوال کا باعث خاندان کا انتشار رہا ہے۔ رومی تہذیب اسی کے سبب زوال پذیر ہوئی۔ خاندان ہی وہ ادارہ ہے جس کے ذریعے معاشرتی تربیت ہوتی ہے، جو فرد کو اپنے فرائض کا احساس دلاتا ہے اور اسے فرقِ مراتب کا شعور دیتا ہے۔ اگر خاندان کا استحکام باقی نہ رہے تو انسانی طرزِ عمل، معاشرتی فرائض کا شعور اور افرادِ معاشرہ کے مراتب کا تعین سب کچھ ختم ہو جائے۔ انسان خاندان کے مثبت اثرات سے جتنا محروم ہوتا جا رہا ہے، اتنا ہی اس کی ضرورت کو محسوس کر رہا ہے۔ خاندان ایک ایسا ابتدائی گروہ ہے اور معاشرتی وحدت ہے جو جنسی کشش اور پدری و مادری محبت کو وجود بخشتا ہے۔

خاندان اپنے تمام افراد کی ضروریات کی تکمیل اور خواہشات کی تسکین فراہم کرنے کا ذمہ دار ہے مثلاً خوراک، لباس، مکان وغیرہ۔ خاندان کے سربراہ کا مرکزی فریضہ یہ ہے کہ وہ ان افراد کے مابین جو آپس میں خاندانی قرب رکھتے ہیں، محبت و شفقت کے خصوصی روابط برقرار رکھے۔[2]

علمائے معاشرت کا اس پر اختلاف ہے کہ خاندان کی ابتدائی ہیئت ترکیبی کیا تھی؟ بعض ماہرین کا خیال ہے کہ ابتدائی کیفیت پدرسری تھی۔ کچھ کی رائے میں مادرسری تھی تاہم اکثریت اس پر اکٹھی نظر آتی ہے کہ مادرسری نظام کبھی موجود نہیں رہا، پدرسری خاندانی نظام ہی غالب رہا ہے۔ قرآن مجید میں بھی مرد کی برتری/سربراہی کا ذکر ملتا ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ[3]

---

[1]۔ التحریم ۶:۶۶

[2]- Spencer, H., Principles of Sociology, William & Norgate, London, 1885

[3]۔ النساء ۳۴:۴

مرد حاکم ہیں عورتوں پر، اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں۔

باپ یا مرد کا کردار ہمیشہ بنیادی رہا ہے اور اسی کے ذریعے خاندان ایک مستحکم ادارے کے طور پر باقی رہا ہے۔ خاندان کے اجزائے ترکیبی میں مرد و عورت، اولاد، والدین اور دیگر رشتہ دار شامل ہیں۔ ان سے متعلق جو امور زیر بحث آتے ہیں وہ یہ ہیں: عورت کی حیثیت، نکاح و طلاق، تربیت اولاد، حقوق والدین، صلہ رحمی اور خاندان کی ہم آہنگی۔[1]

اظہارِ رائے کے دو معروف طریقے

تخلیق آدم کے واقعہ میں اظہارِ رائے کے دو اسلوب ہمارے سامنے موجود ہیں۔ یہی دو اسلوب حیاتِ انسانی میں کار فرما نظر آتے ہیں۔ ایک آدم علیہ السلام کا اظہار ہے اور دوسرا ابلیس کا! یہ دونوں شاہکار اپنی شخصی خصوصیات اور اسلوبِ اظہار کے لیے دنیا میں ماڈل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر ابلاغ اور اظہار کے اسالیب پر غور کریں تو دو ماڈل نظر آتے ہیں۔ ایک ماڈل جسے پیغمبرانہ ماڈل بھی قرار دیا جا سکتا ہے اور دوسرا ابلیسی ماڈل! تاریخ انسانی انہی دو ماڈلوں کے گرد گھومتی ہے۔

قرآن کریم میں ہر موضوع پر اللہ کی رہنمائی موجود ہے۔ پیغمبرانہ اسلوب ہو یا ابلیسی چالیں ہوں، ہر دو پہلو پر مباحث، قرآن میں مذکور ہیں۔ قرآن کی رو سے آدم کی بات سچی، نرم اور انکساری پر مبنی تھی، نسل انسانی کے لیے خالق کائنات کو وہی ماڈل مطلوب ہے جسے رب کی اطاعت میں آدم علیہ السلام نے اختیار کیا، اس ماڈل کو تمام انبیاء و صلحاء نے اختیار کیا اور یہی ماڈل ایک اسلامی معاشرے کا شعار ہے اور صداقت اس ماڈل کی شناخت ہے۔ ذیل میں ''خاندانی نظام'' کو قرآنی اور غیر قرآنی اسلوب کے تحت پیش کیا جاتا ہے۔

قرآن میں نکاح کا حکم

اسلام کا ادارۂ ازدواج ایک مرتب نظام ہے۔ اس میں نکاح، طلاق، خلع، ایلاء، ظہار اور لعان وغیرہ شامل ہیں۔ اس کی ہر ایک شق انسانی مزاج اور اس کی فلاح کے عین مطابق ہے۔ اگر اس کی تنظیم صحیح طریق پر ہو تو کوئی معاشرتی فساد رونما نہیں ہوگا اور اگر اس کی تنظیم میں خرابی ہے تو اس کے اثرات پورے معاشرے پر مرتب ہوں گے۔ مرد اور عورت کے تعلق کو معاشرتی قدر کے طور پر قانونی اور اخلاقی تحفظ دیا۔

---

[1]۔ اسلام کا معاشری نظام (خالد علوی)، ص ۱۵۱-۱۵۵

اس رشتے کو معاشرے میں قبولیت کا درجہ دینے کے لیے نکاح کی صورت دی جو ایک اعلانیہ معاہدہ ہے۔ نکاح کے لغوی معنی وابستگی اور پیوستگی کے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے :

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا[1]

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔

اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس لیے اس نے مرد اور عورت کے اس فطری تعلق کو نظر انداز نہیں کیا، نکاح کی دینی اہمیت بھی ہے، نکاح بہیمی قوتوں کو فروتر کر کے وجود کو اعتدال پر لاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ اس سے انسان کی اس بنیادی خواہش کی تکمیل ہوتی ہے کہ وہ اس دنیا میں کسی نہ کسی طرح موجود رہے۔ بقائے نسل انسان کی خواہش بھی ہے اور مقصود بھی![2]

اللہ تعالیٰ نے انسان کو حکم دیا کہ وہ مرد و عورت جن کو شادی کی ضرورت محسوس ہو، ضرور شادی کریں تاکہ عفت و عصمت کی حفاظت بھی ہو اور جنسی خواہشات کی تکمیل بھی! ارشاد ہے :

وَاَنكِحُوْا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ[3]

اور تم میں جو بے نکاح ہوں، تم ان کا نکاح کر دیا کرو اور اسی طرح تمہارے غلام اور لونڈیوں میں سے جو اس کے لائق ہو، اس کا بھی۔

ایامٰی، اَیِّمٌ یا اَیْمٌ (بے جوڑ) کی جمع ہے، اس کا استعمال مرد و عورت دونوں کے لیے ہے۔ جس مرد کی بیوی نہ ہو، اس کو بھی اَیِّمٌ کہتے ہیں اور جس عورت کا شوہر نہ ہو اس کو بھی اَیْمٌ کہتے ہیں۔ پھر چاہے سرے سے ابھی شادی نہ ہوئی ہو، یا شادی ہوئی تھی مگر شوہر یا بیوی کا انتقال ہو گیا۔ رَجُلٌ اَیْمٌ بھی کہا جاتا ہے اور اِمْرَاَة اَیْمٌ بھی![4]

---

[1]۔ النساء ۱:۴

[2]۔ اسلام کا معاشری نظام (خالد علوی)، ص ۱۶۷ - ۱۶۹

[3]۔ النور ۳۲:۲۴

[4]۔ ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر (مترجم: مولانا محمد صاحب جوناگڑھی)، اسلامی کتب خانہ لاہور، ج ۳، ص ۵۰۳

خاندان کا نمایاں جزو دراصل مرد اور عورت کا تعلق ہے، اسی تعلق سے خاندان کی عددی قوت بڑھتی ہے، اسی کے سبب اسے استحکام نصیب ہوتا ہے۔ یہ تعلق فرد کی انفرادی حاجت کی تسکین بھی ہے اور اجتماعی فلاح کا ذریعہ بھی !

الجزیری کے مطابق نکاح کے تین مفہوم ہیں (i) :دنیوی (ii) شرعی (iii) فقہی۔ قرآن و سنت کے اعتبار سے نکاح سے مراد مرد و عورت کی وہ جائز اور کھلی وابستگی ہے جسے اسلامی معاشرہ قبول کرتا ہے۔ خالق کائنات نے انسانی زندگی میں اس ناگزیر تعلق کو ضروری قرار دیا ہے۔ بعض مفکرین کا کہنا ہے کہ پوری کائنات میں زوجین کا سلسلہ پایا جاتا ہے یعنی کائنات میں تمام انواع زوجین (جوڑا جوڑا) کی صورت میں ہیں۔[1] قرآن کریم میں ہے :

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّهَا [2]

وہ پاک ذات ہے جس نے تمام مقابل قسموں کو پیدا کیا۔

نکاح بطور دینی ضرورت

نکاح ایک انفرادی تمدنی ضرورت ہے جسے تمام معاشروں نے تسلیم کیا ہے لیکن قرآن و سنت نے اس پہلو کے علاوہ اسے اخلاقی و دینی ضرورت بھی قرار دیا ہے اور اس کے قیام پر بہت شدت سے عمل کرایا ہے، قرآن نے نکاح کو سنت انبیاء قرار دیا ہے :

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِکَ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً [3]

اور ہم نے یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے ان کو بیویاں اور بچے بھی دیے۔

صحیح بخاری کی کتاب النکاح میں عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کا یہ بیان موجود ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا تم نے شادی کی؟ میں نے عرض کیا: نہیں! فرمانے لگے :

تزوّج فان خیر ھذہ الامّة کان اکثر ھم نساءً یعنی النبیﷺ [1]

---

[1]۔ اسلام کا معاشرتی نظام، ص: ۱۶۸

[2]۔ یٰسین ۳۶:۳۶

[3]۔ الرعد ۳۸:۱۳

نکاح کرلو کیونکہ اُمت کی بہترین شخصیت کے ہاں سب سے زیادہ عورتیں تھیں۔

نکاح غنا کا سبب

سورۃ النور کی آیت نمبر ۳۲ میں جہاں نکاح کا حکم دیا گیا ہے وہاں آزاد مرد و عورت کے لیے اس کو خاص نہیں کیا گیا بلکہ غلام اور لونڈیوں میں جو اس بندھن کے لائق ہوں، اس کو بھی اس میں شامل کر دیا گیا۔ یہاں ان کے معاشی مسائل کا ذکر کر کے ان کو غنا عطا ہونے کی خوشخبری بھی دے دی گئی۔

اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِه وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ [۲]

اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اللہ تعالیٰ وسعت والا، خوب جاننے والا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانّہ اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء [۳]

جوانو! تم میں جو نکاح کی قوت رکھے اس کو چاہیے کہ نکاح کرے اس لیے کہ یہ نگاہوں کو محفوظ اور شرمگاہوں کو مصون رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے اور جو شخص اس کی استطاعت نہیں رکھتا، اسے چاہیے کہ وہ روزہ رکھے کہ وہ قاطع شہوت ہے۔

شاہ ولی اللہ کے بقول :

"نکاح اور روزے کی وجہ سے تمام فاسد اخلاق جو کثرت اختلاط اور فراوانی طبیعت سے پیدا ہوتے ہیں، تبدیل ہو جاتے ہیں۔ یہیں سے فقہاء نے استنباط کیا ہے کہ نکاح کی کئی حالتیں ہیں مثلاً فرض، واجب، مباح، مکروہ وغیرہ۔ اگر برائی کے ارتکاب کا یقین ہو جائے تو نکاح فرض ہے ورنہ واجب! بشرطیکہ وہ نان و نفقہ پر قادر ہو اور اگر نان و نفقہ پر قادر ہے لیکن برائی کا امکان نہیں تو سنت ہے، نان و نفقہ کی قدرت نہیں

---

[۱]۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب کثرۃ النساء، مطبع مصطفی البابی الحلبی، مصر، ۱۳۴۵ھ، ج ۲، ص ۷۵۸

[۲]۔ النور ۳۲:۲۴

[۳]۔ الجامع الصحیح للبخاری، کتاب النکاح، ج ۲، ص: ۷۵۸

مگر ارتکابِ جرم کا خوف ہے تو نکاح مباح ہے، نان ونفقہ کی اہلیت نہیں رکھتا تو مکروہ ہے۔ لیکن اگر وہ طبعی نااہلیت رکھتا ہے تو پھر اس کے لیے نکاح حرام ہے۔"[1]

نکاح کے بارے میں قرآنی آیات متعدد مقامات پر مذکور ہیں۔ سورۃ النساء کی تیسری آیت میں ایک، دو، تین اور چار عورتوں تک بیک وقت نکاح کی اجازت دے دی گئی ہے۔ مگر عدل کرنے کی شرط لگادی۔ چار عورتوں تک شادی کی اجازت اس لیے دی گئی کہ دورِ جاہلیت میں ایک شخص دس دس شادیاں کر لیتا تھا، اسے محدود کیا گیا کیونکہ اخراجات کی زیادتی کی بنیاد پر اپنے رشتے دار، یتیموں کے حقوق پر دست درازی کرتے تھے۔ اسی سورۃ کی آیت نمبر ۱۲۹ میں بتادیا گیا کہ تم عدل نہیں کر پاؤگے، البتہ کوشش کرتے رہو۔ اللہ غفور و رحیم ہے۔ آیت نمبر ۲۵ میں آزاد مسلمان عورت نہ ملنے پر مومنہ لونڈی سے نکاح کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔[2]

"عدل" بنیادی ذمہ داری ہے۔ ایک بیوی ہو، تب بھی عدل کی ضرورت ہے۔

زنا/ جنسی آوارگی کی ممانعت

اسلام نے نکاح کی ترغیب دے کر غیر فطری راہوں کو بند کر دیا ہے۔ اس نے زنا، عیاشی اور رہبانیت واباحت وغیرہ جیسے سب غیر فطری طریقے بند کرکے "تعلق" کے صحیح مواقع مہیا کیے ہیں۔

زنا، نکاح کا متضاد ہے۔ زنا کی عام تعریف یہ ہے کہ ایک مرد اور عورت نکاح کے بغیر باہم مباشرت کا ارتکاب کریں۔ یا زنا اس حرام جماع کو کہتے ہیں جو دارالاسلام میں کسی بالغ مرد کی طرف سے زندہ عورت کی فرج میں، حالت اختیار میں کیا جائے اور اس عورت سے مرد کا صحیح نکاح نہ ہوا ہو۔

اسلام نے زنا اور جنسی ہوس پر "نکاح" کی صورت میں بند باندھ دیا۔ جاہلیت کا یہ دستور تھا کہ شوہر اپنی بیوی کو غیر مرد کے پاس عمدہ نسل لینے کے لیے بھیجتا۔ ایک عورت نو، نو مردوں کو بیک وقت اپنے آپ کو استعمال کرنے کا موقع دیتی۔ ایسے انسانیت سوز رواج کا خاتمہ اسلام نے ہمیشہ کے لیے کر دیا اور ان تمام طریقوں کو بھی حرام قرار دیا جس کے عفت وعصمت پر زد پڑ سکتی تھی جس سے نسل اور میراث میں گڑبڑ پیدا

---

[1] ۔ الدھلوی، شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ (مترجم: مولانا عبدالحق حقانی)، دارالاشاعت، کراچی، س۔ن، ج ۲، ص ۱۳۱-۱۳۲

[2] ۔ النساء ۴:۳، ۲۵، ۱۲۹

ہوتی تھی۔ جس سے مروت اور صلہ رحمی کی شہ رگ کٹتی تھی اور ان کو ''زنا'' کا نام دے کر لوگوں کو آگاہ کر دیا گیا اور قرآن میں اعلان کر دیا گیا:[1]

وَ لَاتَقْرَبُوا الزِّنٰٓی اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً وَ سَآءَ سَبِیْلًا [2]

اور زنا کے پاس بھی مت پھٹکو، بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے اور بری راہ ہے۔

زنا کبیرہ گناہ ہے :

علامہ ابن کثیرؒ نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے :

''زناکاری اور اس کے گرد کی تمام سیاہ کاریوں سے قرآن روک رہا ہے۔ زنا کو شریعت نے کبیرہ اور بہت سخت گناہ فرمایا ہے، وہ بدترین طریقہ اور بری راہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ شرک کے بعد کوئی گناہ، زناکاری سے بڑھ کر نہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک نوجوان نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زناکاری کی اجازت چاہی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کی اس بے باکی پر اس پر جھپٹے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے پاس بٹھایا اور فرمایا: کیا تو اس کام کو اپنی ماں کے لیے پسند کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میری جان آپ پر قربان! واللہ! مجھے یہ ہرگز نہیں پسند۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر سوچ کہ کوئی اور کیسے پسند کرے گا؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی سوال بالترتیب بیٹی، بہن، پھوپھی اور خالہ کے حوالے سے دہرایا تو ہر بار اس کا جواب پہلی بار جیسا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھ کر دعا فرمائی کہ الٰہی! اس کے گناہ بخش دے۔ اس کے دل کو پاک فرما اور اسے عصمت والا بنا دے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا بیان ہے کہ اس کے بعد یہ نوجوان کسی نامحرم کی طرف نظر بھی نہ اُٹھاتا تھا۔'' [3]

فطرتِ انسانی میں ''زنا'' کے خلاف نفرت اور برائی کا احساس رکھ دیا گیا ہے۔ ''فاحشہ'' اور ''ساء سبیلا'' کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے نسب میں اختلاط اور گڑبڑ ہو جاتی ہے اور اس کا اثر میراث،

---

[1]۔ ظفیر الدین، مولانا، اسلام کا نظام عفت و عصمت، دارالاشاعت، کراچی، ۱۴۱۳ھ، ص ۳۶-۳۷

[2]۔ بنی اسرائیل ۱۷:۳۲

[3]۔ تفسیر ابن کثیر، ج۳، ص ۱۹۱

مسائل حرمت، حقوق کی پامالی اور اخلاق پر پڑتا ہے۔ امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں زنا کے مفاسد کی مفصل نشاندہی کی ہے۔ طوالت کے خوف سے یہاں ان کا ذکر نہیں کیا جا رہا۔

زنا چونکہ دیگر معاشرتی خرابیوں کے علاوہ عصمت اور انسانی حسب نسب پر دست درازی ہے اس لے اس کی حد بھی اشدّ الحدود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زنا تمام شرائع سماویہ اور ملت اسلامیہ کے تمام فرقوں کے نزدیک حرام ہے۔ اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں۔ علمائے اسلام نے زنا کو فواحش الکبائر اور کبائر العظام قرار دیا ہے۔ قرآن مجید نے اس قبیح فعل سے شدید نفرت کا اظہار کیا ہے۔ اس کے لیے تین مختلف الفاظ زنا، فاحشہ اور البغاء استعمال کیے ہیں جس کے معنی عصمت فروشی یا بدکاری کا پیشہ ہیں۔[1]

اسلام میں زنا کے چور دروازے بند کرنے کے لیے مختلف احکام قرآن میں مذکور ہیں مثلاً پردے کے احکام، غض بصر کا حکم، آداب و استیذان، حیاداری کی ترغیب وغیرہ۔ لیکن جرم سرزد ہو جانے پر سزا بھی عبرت ناک رکھی گئی ہے۔

اہل ایمان کا وصفِ امتیاز :

قرآن کریم نے اہل ایمان کا امتیازی وصف اس طرح بیان فرمایا :

اَلَّـذِيْنَ يَجْتَنِبُـوْنَ كَبٰٓئِـرَ الْاِثْمِ وَالْفَـوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَـمَ اِنَّ رَبَّـكَ وَاسِـعُ الْمَغْفِرَةِ[2]

وہ بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں مگر ہلکے ہلکے گناہ! بے شک آپ کے رب کی مغفرت بڑی وسیع ہے۔

قرآن نے نمازیوں اور کامیاب مومنوں کی ایک صفت یہ بیان فرمائی :

---

[1] - (i) وَلَا يَزْنُوْنَ (رحمن کے خاص بندوں کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ زنا نہیں کرتے)، الفرقان ۶۸:۲۵

(ii) وَالّٰتِي يَأْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ (اور جو عورتیں بے حیائی کا کام کریں)، النساء ۱۵:۴

(iii) وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا (اور اپنی لونڈیوں کو زنا کرانے پر مجبور مت کرو، بالخصوص جب وہ پاک دامن رہنا چاہیں)، النور ۳۳:۲۴

[2] - النجم ۳۲:۵۳

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ○ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ [1]

اہل ایمان کی فلاح کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ حرام شہوت رانی سے اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، سوائے اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے [کہ ان سے جنسی آسودگی حاصل کرنے پر] وہ ملامت زدہ نہیں قرار پائیں گے [کیونکہ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں]، ہاں جو اس کے علاوہ اور جگہ شہوت رانی کا طلبگار ہو تو ایسے لوگ حدودِ شرعی سے نکلنے والے ہیں۔

فقہی مسالک کے اُصول مرد کو پابند بناتے ہیں کہ وہ ان ہی عورتوں سے جنسی لذت حاصل کریں جو اس کے لیے حلال ہیں، اسی لیے یہ اُصول عورت کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ صرف اپنے خاوند پر اکتفا کرے۔ [2]

زنا، کائنات کی مرکزی طاقت سے متصادم

ایک مقام پر قرآن مجید میں زنا کی برائی کا تذکرہ کیا گیا:

وَ لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّه كَانَ فَاحِشَةً وَّ مَقْتًاوَ سَآءَ سَبِيْلًا [3]

تم ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپ، دادا، نانا نے نکاح کیا ہو مگر جو بات گزر گئی، گزر گئی، بے شک یہ عقلاً بھی بڑی بے حیائی ہے اور نہایت نفرت کی بات ہے اور شرعاً بھی بہت برا طریقہ ہے۔

اس آیت میں بھی زنا کو ''فاحشہ'' اور ''ساء سبیلًا'' سے تعبیر کیا ہے اور ایک اور لفظ کا اضافہ کیا، ''مقتاً'' لفظ ایک ہے لیکن کائنات کی مرکزی طاقت سے تصادم کی یہ تعبیر ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ زنا کے انجام کو قرآن نے کہاں تک پہنچا دیا، اسی تصادم کے آثار ہم آئے دن دیکھتے رہتے ہیں۔ [4]

---

[1]۔ المومنون ۵:۲۳-۷

[2]۔ عمری، سید جلال الدین، عورت اسلامی معاشرہ میں، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، سترہواں ایڈیشن، ۲۰۰۹ء، ص ۳۰۷

[3]۔ النساء ۲۲:۴

[4]۔ اسلام کا نظامِ عفت و عصمت، ص ۴۰

عفت پر بیعت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے جن الفاظ پر بیعت لیتے تھے، اس سے بھی زنا کے جرم ہونے کی شدت کا پتہ چلتا ہے، قرآن نے بیعت کے الفاظ کو محفوظ کر لیا ہے۔

وَلاَ يَزْنِيْنَ وَلاَ يَقْتُلْنَ اَوْلاَدَهُنَّ وَلاَ يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَه بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ [1]

اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہ بہتان کی اولاد لائیں گی جس کو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان [نطفۂ شوہر سے جنی ہوئی دعویٰ کر کے] بنا لیں۔

زنا کی برائیوں کی انتہا نہیں مثلاً زنا کے وقوع کے نتیجے میں شر اور فتن کے چشمے ابل پڑتے ہیں، قوم میں کشت و خوں کی گرم بازاری ہوتی ہے، اعمال و اخلاق کی مٹی پلید ہو جاتی ہے، عزت و شوکت ملیامیٹ ہو جاتی ہے، انسان میں ضعف آتے ہی امن و امان خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔ جوانانِ قوم خصوصاً اور عام افراد عموماً متعدی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ [2]

زنا کے مفاسد کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے کفر و شرک اور قتل ناحق کی طرح اسے بھی کبائر میں رکھا ہے اور تعلیمات قرآن کے مطابق یہ عظیم گناہ سوائے توبہ، ایمان اور عملِ صالح کے معاف نہیں ہوتا جبکہ اس کی سزا ہولناک بیان کی گئی :

يُّضٰعَفْ لَه الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْه مُهَانًا [3]

قیامت کے دن اس کا عذاب بڑھتا چلا جائے گا اور وہ ہمیشہ اس میں ذلیل ہو کر رہے گا۔

بوقتِ زنا، حالتِ ایمان

ایک حدیث میں زنا ہی کے متعلق رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ فقرہ منسوب کیا گیا ہے۔

---

[1] ۔ الممتحنہ ۶۰:۱۲

[2] ۔ اسلام کا نظامِ عفت و عصمت، ص ۴۱

[3] ۔ الفرقان ۶۹:۲۵

لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مومن ایاکم ایاکم[1]

زناکار جس وقت زنا کرتا ہے اس وقت مومن نہیں ہوتا۔ بچو! بچو !!

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہیں تو کم از کم زنا کے وقت ایمان زانی کو چھوڑ کر جدا ہو جاتا ہے گویا مومن مومن رہتے ہوئے اس جرم کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔

ایک دوسری حدیث میں اس حدیث کی وضاحت بھی موجود ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اذا زنی العبد خرج منه الایمان فکان فوق راسه کانطلة فاذا خرج من ذلک العمل یرجع الیه الایمان[2]

بندہ جب زنا کرتا ہے اس وقت ایمان اس سے نکل جاتا ہے اور اس کے سر پر سایہ بن کر ہوتا ہے اور زانی جب فعل زنا سے فارغ ہوتا ہے تو ایمان اس کی طرف پلٹ آتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زنا اتنی بری چیز ہے اور اس قدر معیوب فعل ہے کہ اس کے ارتکاب کے وقت ایمان کانپ اٹھتا ہے۔ اور گھبرا کر قالب چھوڑ دیتا ہے اس کی غیرت برداشت نہیں کرتی کہ اس حالت میں اس سے چمٹا رہے، ہاں جب وہ فارغ ہوتا ہے، اس کا قلب اس کو ملامت کرتا ہے اور قلب منفعل ہوتا ہے تو پھر وہ ترس کھا کر پلٹ آتا ہے اور ایمان کو غیرت کیوں نہ آئے؟ کہ خود رب العزت کو ایسے فعل پر غیرت ہوتی ہے اور اسی وجہ سے اس نے فحش امور کو حرام قرار دے دیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے :

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ[3]

آپ فرمائیے کہ صرف تمام فواحش باتوں کو البتہ میرے رب نے حرام کیا ہے ان میں جو اعلانیہ ہوں ان کو بھی اور جو پوشیدہ ہوں ان کو بھی، اور گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو بھی حرام کیا ہے۔

---

[1]۔ التبریزی، خطیب، ولی الدین محمد بن عبد اللہ، مشکوۃ المصابیح، باب الکبائر، طبع اصح المطابع، دہلی، س۔ن

[2]۔ ایضاً

[3]۔ الاعراف ۷:۳۳

غیرتِ حق

حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو دیکھ لے تو کیا کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار عینی گواہ پیش کرے۔ مگر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جو فطرتاً غیر معمولی غیور تھے وہ بولے اگر میں اپنی عورت کے ساتھ کسی غیر مرد کو دیکھ لوں تو میری غیرت برداشت نہ کر سکے گی، میں اسی وقت تلوار اٹھاؤں گا اور دو ٹکڑے کر دوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سعد کی غیرت پر تعجب کیوں کرتے ہو خدا گواہ ہے میں خود ان سے بہت زیادہ باغیرت ہوں، اور میری غیرت سے بڑھ کر خود رب العزت کی غیرت ہے، اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ظاہر و باطن تمام فواحش کو حرام قرار دے دیا۔ یہ کھل کر ہو یا پردہ پوشی کے ساتھ![1]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سورج گرہن ہوا تو، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بلیغ خطبہ دیا اور اسی خطبہ کسوف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا :

> یا امة مُحَمَّد واللہ انه لا احد اغیر من اللہ ان یزنی او تزنی امة واللہ لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا ولبکیتم کثیرا[2]
>
> اے امت محمد! خدا کی قسم! اس بات سے اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کسی کو غیرت نہیں ہوتی کہ کوئی مرد یا عورت زنا کرے اور بخدا جو کچھ میں جانتا ہوں تم جانتے تو بہت کم ہنستے اور بکثرت روتے۔

اور اہمیت جتانے کے لئے اس کے بعد ہاتھ اٹھایا اور فرمایا اے اللہ! کیا میں نے پہنچا نہیں دیا؟ یعنی منشا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ضروری حکم اس کے بندوں تک میں نے پہنچا دیا۔

ایک اور آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فواحش سے روکا ہے، ارشاد الٰہی ہے :

> اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَ یَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْیِ یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ[3]

---

[1]۔ اسلام کا نظامِ عفت و عصمت، ص ۴۳

[2]۔ الجامع الصحیح للبخاری

[3]۔ النحل ۱۶:۹۰

بے شک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہلِ قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ تم کو اس لئے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو۔

یہ وہ آیت ہے جو ہر جمعہ کو عموماً خطبہ میں پڑھی جاتی ہے اور اس طرح اس آیت میں جو احکام درج ہیں ان کی اہمیت بیان کی جاتی ہے، زنا سے اس شدت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جو روکا ہے اس کی بھی وجہ ہے، یہ اپنے انجام اور نتیجہ کے اعتبار سے اتنا مہلک جرم ہے جس کی دنیوی واُخروی تباہ کاریوں کا احاطہ آسان نہیں۔

زنا مظالم کی جڑ

اس آیت میں زانی کو جو ظالم قرار دیا گیا ہے یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں، سوچیں تو یقین کرنا پڑے کہ زنا دنیا کے سارے مظالم کی جڑ ہے۔ دنیا کی ساری برائی زناکاری میں پائی جاتی ہے، پھر زانی کے ظالم ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟

۱. زانی کا فعلِ زنا خود اپنے اوپر بھی ظلم ہے کہ اس سے اخلاق واعمال کی مٹی پلید ہوتی ہے، خون اور روپیہ بے فائدہ ضائع ہوتا ہے، مادہ تولید جو باعث افزائشِ نسلِ انسانی ہے ناحق برباد ہوتا ہے، صحت پر ناخوشگوار اثر پڑتا ہے، ذلت اور رسوائی ہوتی ہے، ذاتی خوف و ہراس میں مبتلا رہتا ہے، حزن وملال سے دوچار ہوتا ہے، مرض متعدی سوزاک وآتشک وغیرہ کے خطرے میں اپنے آپ کو گرفتار کرنا پڑتا ہے، بے حیائی، فریب کاری، جھوٹ، بدنیتی، خود غرضی، نفسانی خواہش کی غلامی، ضبط نفس کی کمی، خیالات کی آوارگی اور دوسری بیسیوں جسمانی، ذہنی اور روحانی امراض میں زنا آدمی کو مبتلا کر دیتا ہے۔

۲. زنا اپنے خاندان پر بھی ظلم ہے کہ زناکار خاندان کی عزت کو داغ لگاتا ہے اور پھر خاندان کے لئے برائی کا ایک نمونہ قائم کرتا ہے، اہل خاندان اور اپنے بال بچوں کے لئے زنا کی شاہ راہ بناتا ہے۔

۳. زنا نسوانی عفت وعصمت کی لوٹ ہے، زانی ڈاکو ہے، ایک کمزور ارادے والی ذات کو اپنی ہوسناکیوں کا تختۂ مشق بناتا ہے، شرم وحیا کی چٹانوں کے نیچے دبی عورت کی فطرت کا پردہ کھول دیتا ہے اور اسے بیباک ودلیر بنا دیتا ہے۔

۴. عورت کسی خاندان کی عورت ہونے کے ناطے کسی کی ماں، بیوی، بہن یا بیٹی ہوتی ہے، زانی مرد رسوائیوں کی کالک، عورت کے خاندان والوں کے چہروں پر پھیرتا ہے، جس سے خودکشی تک کی نوبت آجاتی ہے۔

۵. اگر عورت کسی کی منکوحہ ہو تو دوسرے مفاسد کے ساتھ غیر کے حقِ ناموس پر شرمناک اور ظالمانہ حملہ ہے۔

٦. زنا، بچے پر بھی ظلم ہے کیونکہ یا تو اسے ضائع کر دیا جائے گا اور اس طرح وہ بے قصور قتل ہو گا یا باپ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی نگرانی و تربیت اور تعلیم کی ذمہ داری کا کوئی مرکز باقی نہیں رہے گا، اگر بچہ پروان بھی چڑھے گا تو اس کی پیشانی کا یہ داغ ہمیشہ اس کی تذلیل کا باعث ہو گا جو خود اس کے ناجائز باپ کے ذریعے ہو گا۔[1]

زنا کی سزا :

قرآن و حدیث میں اس کی سزا متعین کر دی گئی ہے، حدود اللہ کی خلاف ورزی کی باضابطہ سزاؤں کے علاوہ زنا کی وجہ سے جو مصیبت، پریشانیاں، بیماریاں، وبائیں اور ہلاکتیں ہوتی ہیں، وہ انسان کی زندگی میں ہی موت کے مترادف ہے۔ قرآن میں زانی اور زانیہ کی سزا سورۃ النور میں مذکور ہے :

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ[2]

زانیہ عورت اور زانی مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارے جائیں اور اللہ کے دین کے معاملے میں تم ان پر ترس نہ کھاؤ، اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔

خاندان میں ''والدین'' کا مقام

''خاندان'' کے عناصر ترکیبی کی بنیاد مرد و عورت پر ہے اور ان کی قربت کی اصل ''نکاح'' اور جدائی و بے رغبتی کی وجہ جنسی بے راہ روی ہے جو خاندان کے لئے زہر قاتل ہے۔ ہر دو پہلوؤں پر قرآن و حدیث کی روشنی میں مستقل اظہار خیال کر دیا گیا ہے۔ اب قرآن کے حوالے سے ''نظامِ خاندان'' کے دیگر

[1] اسلام کا نظامِ عفت و عصمت، ص ۴۵-۴٦

[2]۔ النور ۲:۲۴

عناصر پر بحث کی جائے گی جن میں والدین کا مقام، تربیت اولاد، زوجین کے حقوق اور حقوقِ قرابت شامل ہیں۔ان تمام طبقات کا ایک دوسرے کے حقوق و فرائض جاننا، سمجھنا اور ادا کرنا خاندان کو یکجا اور متحد رکھتا ہے۔

توریت،انجیل،قرآن اور والدین

سب سے پہلے قرآنی تعلیمات کی روشنی میں والدین کا مقام/حقوقِ والدین پر بات ہو گی۔

دنیا کی تمام اقوام اور مذاہب و ادیان میں "ماں اور باپ" کے حوالے سے خصوصی تعلیمات ملتی ہیں، الہامی مذاہب ہوں یا غیر الہامی، ہر ایک کی ہدایت اور رہنمائی یہی ہے کہ والدین سب سے بڑھ کر اپنی اولاد کے لئے قابل احترام، قابل اطاعت اور اعلیٰ مقام کے حامل ہیں، لیکن اسلام نے سب سے بڑھ کر والدین کے حقوق بیان کیے ہیں، چونکہ اسلام کے معاشرتی نظام میں "خاندان" ہی بنیادی اکائی ہے اور خاندان کا اہم ترین مظہر والدین کا وجود ہے،ماں باپ کی بقا پر معاشرے کی بقا ہے۔عورت اور مرد کا سب سے اچھا روپ ماں اور باپ کا ہے، معاشرے میں ایثار و قربانی کا استعارہ ماں اور باپ ہیں۔

قرآن کی رو سے اللہ کے بعد انسانی زندگی میں خاندانی اعتبار سے اولین حیثیت اور بلند ترین مقام "والدین" کا ہے۔قرآن سے پہلے کی الہامی کتاب "توریت" کے ایک حصے "خروج" کے الفاظ ہیں :

"تو اپنے ماں باپ کو عزت دے تا کہ تیری عمر اس زمین پر جو خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے،دراز ہو۔"[1]

کتاب احبار میں ہے "ہر ایک شخص اپنی ماں اور اپنے باپ سے ڈرے۔"[2]

والدین کی نافرمانی کو بائیبل ایک جرم قرار دیتی ہے اور اس پر سزا تجویز کرتی ہے۔کتاب احبار میں یہ الفاظ قانون کی حیثیت سے بیان کئے گئے ہیں :

"اور جو کوئی اپنے باپ یا اپنی ماں پر لعنت کرے وہ ضرور مار ڈالا جائے گا کیونکہ اس نے اپنے باپ یا اپنی ماں پر لعنت کی ہے،اس کا خون اسی کے سر پر ہے۔"[3]

"انجیل" یا عہد نامہ جدید میں بھی اس قسم کی عبارتیں پائی جاتی ہیں مثلاً:

---

[1] خروج:۲۰

[2]۔ احبار۱۹:۳

[3]۔ احبار۲۰:۹

"خدا نے فرمایا کہ اپنے ماں باپ کی عزت کر اور جو ماں اور باپ پر لعنت کرے، جان سے مارا جائے گا، پھر تم کہتے ہو کہ جو کوئی اپنے باپ یا ماں کو کہے کہ جو کچھ مجھے تجھ کو دینا واجب تھا، سو خدا کی نذر ہوا اور اپنے باپ یا ماں کی عزت نہ کرے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ پس تم نے اپنی روایت سے خدا کے حکم کو باطل کیا۔" [1]

اس ٹکڑے میں جناب مسیح علیہ السلام کی تنقید بنی اسرائیل کے طرز عمل پر ہے کہ انہوں نے والدین کی اطاعت سے جان چھڑانے کے لئے حیلے تراشنے شروع کر دیے تھے۔

قرآن میں والدین کا ذکر

قرآن و سنت نے والدین کے مسئلہ کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کر کے اس کے جملہ پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ قرآن سب سے پہلے حقوق کی ترتیب متعین کرتا ہے پھر اس کی تفصیل بیان کرتا ہے اس ترتیب میں والدین سر فہرست ہیں۔ قرآن مجید نے اس ترتیب کو اس طرح بیان کیا ہے :

(i) وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِى الْقُرْبٰى [2]

اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اختیار کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو اور والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور اہل قرابت کے ساتھ بھی!

(ii) يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ [3]

لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجئے کہ جو مال تم کو صرف کرنا ہو تو ماں باپ کا حق ہے اور قرابت داروں کا!

(iii) وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْ

---

[1] ۔ متی ۴:۱۵-۷

[2] النساء۳۶:۴

[3] ۔ البقرة۲۱۵:۲

هُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا O وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ

وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِیْ صَغِيْرًا [1]

اور تیرے رب نے حکم کر دیا کہ بجز اس کے کسی کی عبادت مت کرو اور تم اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو اگر تیرے پاس ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو کبھی ''اُف'' بھی مت کہنا اور نہ ہی ان کو جھڑکنا اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا اور ان کے سامنے شفقت سے، انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور یوں دعا کرتے رہنا کہ اے پروردگار! ان دونوں پر رحمت فرمائیے، جیسا انہوں نے مجھ کو بچپن میں پالا پرورش کیا ہے۔

والدین کا مقام و مرتبہ :

حافظ عماد الدین ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں ''قَضٰی'' کے معنی حکم دینا کے ہیں، ایسا تاکیدی حکم الٰہی جو ٹلنے والا نہ ہو اور وہ کہے کہ عبادت اللہ رب العزت کی اور اطاعت والدین کی ہے۔ ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرات میں قضٰی کے بدلے ''وصی'' ہے، یہ دونوں حکم ایک ساتھ جیسے یہاں ہیں ایسے ہی اور بھی بہت سی آیتوں میں ہیں جیسے فرمانِ الٰہی ہے :

(i) اَنِ اشْكُرْلِیْ وَ لِوَالِدَيْكَ [2]

میرا شکر ادا کرو اور اپنے ماں باپ کے احسان مند رہو۔

خصوصاً ان کے بڑھاپے کے زمانے میں ان کا پورا ادب کرنا، کوئی بری بات زبان سے نہ نکالنا، یہاں تک کہ ان کے سامنے ''اُف'' تک نہ کرنا، نہ کوئی ایسا کام کرنا جو انہیں برا معلوم ہو، اپنا ہاتھ ان کی طرف بے ادبی سے نہ بڑھانا بلکہ ادب و عزت اور احترام کے ساتھ ان سے بات چیت کرنا، نرمی اور تہذیب سے گفتگو کرنا، ان کی رضا مندی کے کام کرنا، دکھ نہ دینا اور ستانا نہیں، ان کے سامنے تواضع عاجزی، فروتنی اور خاکساری سے رہنا، ان کے لیے ان کے بڑھاپے میں اور ان کے انتقال کے بعد دعائیں کرتے رہنا، خصوصاً یہ دعا کہ ''اے اللہ! ان پر رحم کر جیسے رحم سے انہوں نے میرے بچپن کے زمانے میں میری پرورش کی'' البتہ اہلِ ایمان کو اپنے کافر والدین کے لیے دعا کرنا جائز نہیں۔ [3]

---

[1]۔ بنی اسرائیل ۱۷:۲۳-۲۴

[2]۔ لقمان ۳۱:۱۴

[3]۔ تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۱۸۷

قرآن نے انبیاء کے سلسلے میں والدین کی حیثیت کو بیان کیا ہے نیز مطلق احکام کی صورت میں بھی والدین کو توحید کے بعد سب سے اونچا درجہ دیا ہے۔

(ii) وَ اِذْ اَخَـذْنَا مِيْثَـاقَ بَنِـىْٓ اِسْـرَآءِيْـلَ لَا تَعْبُـدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا [1]

اور وہ زمانہ یاد کرو جب لیا ہم نے قول وقرار بنی اسرائیل سے کہ عبادت مت کرنا کسی کی، بجز اللہ تعالٰی کے اور ماں باپ کی اچھی طرح خدمت گزاری کرنا۔

والدین کی عدم اطاعت کی صورت :

اگر والدین کافر و مشرک ہوں تو پھر اللہ کی وحدانیت کے خلاف ان کی بات نہیں مانی جائے گی، قرآن نے واضح ہدایت جاری فرمادی، سورۃ العنکبوت میں مذکور ہے :

وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَ اِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِىْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ [2]

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ تو ایسی چیز کو میرا شریک ٹھہرا جس کی کوئی دلیل تیرے پاس نہیں تو تُو اُن کا کہنا نہ ماننا۔ تم سب کو میرے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے، پھر میں تم کو تمہارے سب کام] نیک ہوں یا بد [جتلا دوں گا۔

والدہ کی مشقت

قرآن مجید نے والدین سے حسن سلوک کو بڑی اہمیت کے ساتھ بیان کیا ہے، اس نے نہ صرف حکم الٰہی بیان کیا بلکہ حسن سلوک کے لیے عقلی دلیل بھی مہیا کی ہے۔

(i) وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِىْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْلِىْ وَ لِوَالِدَيْكَ اِلَىَّ الْمَصِيْرُ O وَ اِنْ جَاهَدٰكَ

---

[1]۔ البقرہ ۲:۸۳

[2]۔ العنکبوت ۲۹:۸

عَلٰی اَنْ تُشْرِکَ بِیْ مَالَیْسَ لَکَ بِہ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا [1]

اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی ہے، اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اس کو پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ چھڑایا، تو میرے اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کیا کر میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور اگر تجھ پر وہ دونوں اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرا جس کی تیری پاس کوئی دلیل نہ ہو تو تُو ان کا کچھ کہنا نہ ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی سے بسر کرنا۔

(ii) وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ اِحْسٰنًا حَمَلَتْہُ اُمُّہ کُرْهًا وَّوَضَعَتْہُ کُرْهًا وَحَمْلُہ وَفِصٰلُہ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا حَتّٰی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّہ وَبَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَۃً قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰہُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ [2]

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے، اس کی ماں نے اس کو بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت کے ساتھ اس کو جنا، اس کو پیٹ میں رکھنا اور دودھ چھڑانا، تیس مہینے میں پورا ہوتا ہے یہاں تک کہ جب وہ اپنی جوانی کو پہنچ جاتا ہے اور چالیس برس کو پہنچتا ہے تو کہتا ہے: اے میرے پروردگار! مجھ کو اس پر مداومت دیجئے کہ میں آپ کی نعمتوں کا شکر ادا کیا کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں اور میں نیک کام کروں جس سے آپ خوش ہوں اور میری اولاد میں بھی میرے لیے صلاحیت پیدا کر دیجئے، میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں فرمانبردار ہوں۔

تذکرۂ والدین بہ زبان انبیاء

ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد سے مکالمہ قرآن میں مذکور ہے :

---

[1]۔ لقمان ۱۴:۳۱-۱۵

[2]۔ الاحقاف ۴۶:۱۵

وَ اذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِبْرٰهِیْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّاO اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَ لَا یُبْصِرُ وَ لَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْــٴًـاO یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِیْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِیًّاO یٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّاO یٰۤاَبَتِ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّیْطٰنِ وَلِیًّا O قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ لَىٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَ اهْجُرْنِیْ مَلِیًّا O قَالَ سَلٰمٌ عَلَیْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا [1]

اور اس کتاب میں ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیجئے وہ بڑے راستی والے پیغمبر تھے۔ جب کہ انہوں نے اپنے باپ سے (جو کہ مشرک تھا کہا: اے میرے باپ تم ایسی چیز کی کیوں عبادت کرتے ہو، جو کچھ سنے نہ کچھ دیکھے، اور نہ تمہارے کچھ کام آ سکے... ابراہیم علیہ السلام نے کہا میرا سلام لو، اب میں تمہارے لیے اپنے رب سے مغفرت کی درخواست کروں گا، بے شک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔

(ii) حضرت یحییٰ علیہ السلام کی صفات بیان کرتے ہوئے والدین کے ساتھ ان کے حسن سلوک کا خصوصی ذکر کیا :

وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَیْهِ وَ لَمْ یَكُنْ جَبَّارًا عَصِیًّا [2]

اور وہ اپنے والدین کے خدمت گزار تھے اور [خلق کے ساتھ] سرکشی کرنے والے یا حق تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والے نہ تھے۔

(iii) حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے بچپن میں جو گفتگو کی تھی اس میں بھی والدہ کے حسن سلوک کا خاص تذکرہ ہے۔

وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا O وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ وَ لَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا [3]

---

[1]۔ مریم ۱۹:۴۱-۴۷

[2]۔ مریم۱۹: ۱۴

[3]۔ مریم۱۹: ۳۱- ۳۲

اور مجھ کو برکت والا بنایا میں جہاں کہیں بھی ہوں، اور اس نے مجھ کو نماز اور زکوۃ کا حکم دیا جب تک میں دنیا میں زندہ ہوں اور اپنی والدہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا، اور مجھ کو سرکش و بدبخت نہیں بنایا۔

والدین سے حسنِ سلوک/بد سلوکی پر احادیث :

احادیث مبارکہ میں بھی والدین سے حسن سلوک، صلہ رحمی کا کثرت سے ذکر آیا ہے اور ان کی فرماں برداری کرنے کا مسلسل ذکر ہے۔ عقوق والدین (والدین سے بدسلوکی) اکبر الکبائر میں سے ہے۔

(i) عن ابی هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم رغم انفه رغم انفه رغم انفه، قيل من يا رسول الله؟ قال من ادرك والديه عند الكبر احدهما او كلاهما ثم لم يد خل الجنة [1]

ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی ناک خاک آلود ہوئی، اس کی ناک خاک آلود ہوئی، اس کی ناک خاک آلود ہوئی عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس کی؟ فرمایا جس نے ماں باپ میں سے ایک کو یا دونوں کو بڑھاپے میں پایا اور پھر جنت میں داخل نہ ہوا۔

(ii) عن اسماء بنت ابی بكر رضی الله عنها قالت: قدمت علی امی وهی مشركة فی عهد قريش (حديبيه) فقلت يا رسول الله! ان أمی قدمت علی وهی راغبة أفأصلها قال نعم صليها [2]

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ قریش کے معاہدہ کے دوران حدیبیہ میری ماں جو اس وقت مشرکہ تھی میرے پاس آئی تو میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ماں میرے پاس آئی ہے اور وہ کچھ خواہش رکھتی ہے، کیا میں اس سے مہربانی کروں؟ فرمایا: ہاں! اس سے مہربانی کرو !!

عن المغيرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله حرم عليكم عقوق الأمهات وَوَأد البنات [1]

---

[1]۔ القشیری، مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، ابواب البر والصلۃ طبع محمد بن علی واولادہ، مصر، ۱۳۳۴ھ، ج ۲، ص ۳۱۴

[2]۔ الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الادب، ج ۲، ص ۸۸۳

مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے یقیناتم پر حرام ٹھہرائی ہے ماؤں کی نافرمانی اور بیٹیوں کو زندہ گاڑنا۔[1]

(iv)عن عبداللہ بن عمرو قال: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان من اکبر الکبائر ان یلعن الرجال والدیہ، قال یسب ابا الرجل فیسب اباہ ویسب امہ فیسب امہ[2]

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ ایک آدمی اپنے والدین پر لعنت بھیجے۔ فرمایا کہ ایک شخص کسی آدمی کے والد کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کے والد کو گالی دیتا ہے، وہ کسی کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔

عن عبداللہ بن عمر قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من الکبائر شتم الرجل والدیہ- قالوا یا رسول اللہ ھل یشتم الرجل والدیہ؟ قال: نعم! یسب ابا الرجل فیسب اباہ ویسب امہ فیسب امہ[3]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: آدمی کا اپنے والدین کو برا کہنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے، صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہؐ کیا کوئی آدمی اپنے ماں باپ کو برا کہتا ہے؟ فرمایا: ہاں! وہ کسی کے باپ کو برا کہتا ہے تو وہ اس کے باپ کو کہتا ہے اور وہ کسی کی ماں کو برا کہتا ہے تو وہ اس کی ماں کو برا کہتا ہے۔

(iv)عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رضی الرب فی رضی الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد[4]

---

[1]۔ ایضاً

[2]۔ ایضاً، کتاب الادب، ج۲، ص۸۸۳

[3]۔ ایضاً، کتاب الایمان، باب الکبائر واکبرھا، ص۵۴؛ الترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، الجامع الصحیح، کتاب البر والصلۃ باب ماجاء فی عقوق الوالدین، طبع منیریۃ، مصر، ۱۹۳۱م، ص۴۴۴

[4]۔ الجامع الصحیح للترمذی، ابواب البر والصلۃ، ج۲، ص۱۲

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رب کی رضا والد کی رضا میں ہے اور رب کی خفگی والد کی خفگی میں ہے۔

عقوق و حقوق والدین کی احادیث بیان ہو چکی ہیں، یہ وہ حقوق ہیں جنہیں قانونی طور پر والدین حاصل کر سکتے ہیں اور عدم ادائیگی کی صورت میں اولاد کی گرفت ہو سکتی ہے۔ علمائے والدین کے حقوق کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے :

۱۔ اخلاق حقوق ۲۔ آئینی حقوق

۱۔اخلاقی حقوقِ والدین

اخلاقی حقوق میں وہ امور آتے ہیں جن کا ادا کرنا ایک مومن کی اچھی صفات ہو سکتی ہیں اور ان کے نہ کرنے سے اسے اخلاقی پستی کا نمونہ قرار دیا جا سکتا ہے، اس میں تین چیزیں سر فہرست ہیں :

۱۔ حسن سلوک

۲۔ اطاعت

۳۔ نماز میں دعا

اطاعت اور حسن سلوک پر گزشتہ آیات واحادیث شاہد ہیں، اسلام نے حسن سلوک اور اطاعت میں چند اہم چیزیں بیان فرمائی ہیں جو وسعت واعتدلال کے اعتبار سے بے نظیر ہیں۔

۱۔ ماں کا درجہ مقدم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری والدہ سب سے زیادہ حسن سلوک کی مستحق ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جنت تمہاری ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔

۲۔ والدین کی اطاعت جہاد سے بھی اولیٰ تر ہے۔

جاء رجل الی النبی صلی الله علیه وسلم وقال: جئتک ابا یعک علی الهجرة وترکت ابوی یبکیان، قال فارجع الیهما فاضحکهما کما ابکیتهما[1]

[1] ۔ ابو داؤد، السجستانی، سلیمان بن اشعث، السنن، کتاب الجهاد، باب فی الرجل یغزولہٗ ابواہ کارھان، ص ۳۶۷؛ السنن لابن ماجہ، کتاب الجهاد باب الرجل یغزولہٗ ابوان، ص ۴۰۲

ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں ہجرت کے لیے بیعت کرنے آیا ہوں اور اپنے والدین کو روتے چھوڑ آیا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کی طرف جاؤ اور انہیں اسی طرح ہنساؤ جس طرح رلایا ہے۔

حسن سلوک کو حقوق والدین میں نہایت اہم مقام حاصل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن سلوک کے دائرے کو حقیقی والدین سے بڑھا کر رضاعی والدین تک وسیع کر دیا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن تشریف فرما تھے کہ ان کے رضاعی والد تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر بچھادی اور اس پر انہیں بٹھایا۔ تھوڑی دیر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی والدہ بھی تشریف لائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر کا دوسرا حصہ بھی بچھا دیا اور اس پر انہیں بٹھایا۔ اتنے میں ان کے رضاعی بھائی بھی آگئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے اور اسے والدین کے درمیان بٹھادیا۔

ان آیات و احادیث سے والدین کی حیثیت اور عظمت کا پتہ چلتا ہے۔ قرآن پاک میں جس طرح توحید کے بعد دین و اخلاق میں والدین کو اونچا درجہ دیا گیا ہے اسی طرح حدیث میں بھی اسکی عملی تشریح کی گئی ہے۔

۲۔ والدین کے آئینی حقوق

آئینی حقوق سے مراد وہ حقوق ہیں جن کا بجالانا اولاد پر لازم ہے اور اس میں کوتاہی قانونی جرم بن سکتی ہے۔ اسلامی شریعت ان حقوق کے تعین اور حصول کے لیے پوری کوشش کرتی ہے، مندرجہ ذیل حقوق کو آئینی حقوق قرار دیا جاسکتا ہے۔

۱۔ میراث

۲۔ نفقہ

۳۔ باپ کی بیوہ سے شادی کی حرمت

۴۔ حرمت عقوق الوالدین (والدین کی نافرمانی حرام ہے۔)

درج بالا امور نصوص سے ثابت ہیں :

وَ لِاَبَوَیْهِ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَکَ[1]

[1] ۔ النساء۴: ۱۱

اور ماں باپ کے لیے یعنی دونوں میں سے ہر ایک کے لیے میت کے ترکہ میں سے چھٹا چھٹا حصہ ہے۔

عن عمرو بن العاص رضی اله عنه انه أتاه رجل فقال: یا رسول الله صلی الله علیه وسلم: ان لی مالا وولدان وان أبی یحتاج الی مالی، فقال: انت ومالک لأبیک[1]

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے پاس مال ہے اور صاحب اولاد ہوں، اور میرا باپ میرے مال کی حاجت رکھتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بھی اپنے باپ کا مال ہو اور تمہاری متاع بھی!

عن عمرو بن شعیب رضی الله عنه عن جده ان رجلا اتی النبی صلی الله علیه وسلم فقال: ان لی مالاً وان لی والدی یحتاج الی مالی- قال: انت ومالک لوالدک- ان اولادکم من اطیب کسبکم فکلوا من کسب اولادکم[2]

عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا کہ ایک آدمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: میرے پاس مال ہے اور میرا والد ہے جسے مال کی ضرورت ہے۔ فرمایا تو اور تیرا مال تیرے باپ کا مال ہے، اس لیے کہ تمہاری اولاد تمہاری بہترین کمائی ہے، تم اپنی اولاد کی کمائی میں سے کھاؤ۔

والدین کمانے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں تو اولاد پر فرض ہے کہ والدین کے نان و نفقہ کا انتظام کرے اگر ایسا نہ کرے تو اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ اسے ایسا کرنے پر مجبور کرے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے اپنے لڑکے کے مال سے تعرض کیا تو اس نے عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ دیا: انت ومالک لابیک (تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔)

---

[1]۔ ابن حنبل، احمد، المسند، بولاق، مصر، س-ن، حدیث ۶۶۰۸

[2]۔ السنن لابن ماجہ، کتاب التجارات، ج ۲، ص ۱۶۷

خلاصہ بحث (از روئے والدین)

والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی اطاعت صرف دینی نیکی ہی نہیں ایک معاشرتی خوبی بھی ہے جس کے ہونے نہ ہونے کے گہرے اثرات معاشرے پر مرتب ہوتے ہیں۔ خاندان چونکہ معاشرے کی پہلی اکائی ہے اور خاندان میں والدین کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اس لیے ان سے حسن سلوک معاشرے کو ایثار، ہمدردی اور محبت وانسانیت کے جذبات دے گا۔ ان کی اطاعت معاشرے میں یک جہتی اور ہم آہنگی پیدا کرے گی والدین کی نافرمانی کے نتیجے میں بد سلوکی والی فضا عام ہو گی جو افراد کے اندر جذبۂ اطاعت وخدمت ختم کر دے گی اور شتر بے مہار قسم کے وہ افراد پرورش پائیں گے جنہیں قانون، احکام اور اخلاق کی پابندی کا احساس نہیں ہو گا۔ والدین عزت وشرافت کا معیار ہیں، والدین کی عزت واحترام اٹھ جانے سے شرافت کی عام قدریں مٹ جائیں گی۔ آنکھوں سے حیا اور دلوں سے ادب مٹ جائے گا۔ خود غرضی اور خود سری کی لعنتیں معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گی اور معاشرہ اجتماعی سکون سے محروم ہو جائے گا۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں " والدین کے ساتھ نیکی اور نیک سلوک کی تکمیل چند امور سے وابستہ ہے۔ ان کو لباس وخوراک مہیا کی جائے، ان کی خدمت کی جائے، ان کو جب بھی کسی خدمت کی ضرورت ہو اور وہ پکاریں تو ان کے پاس جا کر ان کے حکم کی اطاعت وفرمانبرداری کی جائے، البتہ معصیت وگناہ میں ان کا حکم نہیں ماننا چاہیے، ان کے ساتھ نہایت نرمی سے گفتگو کرے، ان کو کبھی بھی "اُف" تک نہ کہے۔ ان کا نام لے کر انہیں نہ بلائے، اگر ساتھ چلنے کا اتفاق ہو تو پیچھے پیچھے چلے۔ اگر کوئی شخص اس کے والدین کی غیبت اور عیب جوئی کرے یا ان کو تکلیف وایذاء پہنچائے تو ان کی مدافعت کرنا اولاد کا فرض ہے۔ اپنی مجلس میں بھی وہ والدین کی انتہائی تعظیم وتوقیر کرے اور ان کے لیے ہمیشہ مغفرت ورحم کی دعا کرتا رہے۔[1]

دور حاضر میں معاشرتی انتشار کی بدولت حالات دگرگوں ہو گئے ہیں۔ اب ضرورت ایسے اداروں کی ہے جن کے افراد خود نہایت اچھا نمونہ بن کر اطاعت والدین کے جذبے کو ادب، تقریر اور گفتگو کے ذریعے عام کریں اور معاشرے کے اندر والدین کی عزت وعظمت کا جذبہ کسی طور بھی کم نہ ہونے دیں۔ مغرب نے والدین کے ساتھ جو رویہ اپنا رکھا ہے وہ دوسرے معاشروں میں بھی منتقل ہو رہا ہے۔ بد قسمتی سے مسلمان معاشرے اس مغربی بد اخلاقی سے متاثر ہو رہے ہیں۔

---

[1]۔ اسلام کا معاشرتی نظام، ص ۲۲۳

خاندان میں ''اولاد'' کی اہمیت :

''خاندان'' کے عناصر ترکیبی میں ''اولاد'' بہت اہمیت کی حامل ہے۔ والدین ''اولاد'' کے بغیر ادھورے ہیں۔ بچوں کے بغیر خاندانی نظام سُونا سُونا ہوتا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں والدین کی اطاعت جہاں لازم قرار دی گئی وہاں والدین پر اپنی اولاد کی تربیت وضروریات کی تکمیل کی ذمہ داری عائد کی گئی ہے۔ والدین اور اولاد مل کر معاشرے کی صورت گری کرتے ہیں۔ بچوں کی وجہ سے والدین کی زندگی متحرک رہتی ہے اور والدین کی جانشین ان کی اولاد ہوتی ہے، یعنی آج کی اولاد کل کے والدین ہوتے ہیں۔ بچے، قوم کا مستقبل بنتے ہیں اس لئے دین اسلام ان کی تعلیم و شفقت و تربیت پر بہت زور دیتا ہے۔ اولاد کی اسلامی خطوط پر تعلیم و تربیت ان میں خود اعتمادی کا باعث بنتی ہے جب کہ ان کی تربیت و حسن سلوک میں تغافل و بے اعتدالی ان کی ارتقائی ترقی میں منفی کردار ادا کرتا ہے۔

کسی بھی معاشرے میں بچوں اور بڑوں کا تعلق سب سے اہم مسئلہ ہے کیونکہ بڑوں کا احترام اور بچوں کے ساتھ شفقت اس معاشرے کے مجموعی رویوں کے عکاس ہوں گے۔ بڑوں کے ساتھ حسن سلوک اور بچوں کے ساتھ مشفقانہ رویہ ایک رحم دل معاشرے کی تشکیل کا باعث ہو گا۔ حسن سلوک، ادب و احترام، ایثار و شفقت اور عزت و وقار اسلامی معاشرے کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

قرآن کی رُو سے اولاد، ایک نعمتِ عظمیٰ

اسلامی معاشرہ اولاد کو انسانی اقدار کی بقا و تحفظ کا ذریعہ سمجھتا ہے اور اسے ''نعمت عظمیٰ'' قرار دیتا ہے۔ قرآن و سنت کی تعلیمات سے اولاد کے نعمت عظمیٰ ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ اولاد انسانی شخصیت کی توسیع اور اس کی خصوصیات کا بہترین مظہر ہوتی ہے اس لیے ہر انسان جبلی طور پر اولاد کی خواہش رکھتا ہے اور محسوس کرتا ہے کہ اولاد نہ صرف رنج و آرام میں ہمدرد اور غم خوار ہو گی بلکہ اس کے مقصد حیات کی تکمیل میں مدد و معاون ہو گی۔ بچوں کی موجودگی میں ذاتی تسکین کا بڑا سامان موجود ہے۔ بچے جہاں مادی طور پر ایک سہارا ہوتے ہیں وہاں روحانی طور پر سکون کا باعث ہوتے ہیں۔ قرآن مجید نے اس نعمت عظمیٰ کی طرف واضح اشارہ فرمایا ہے :

وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَ حَفَدَةً وَّ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ[1]

[1]۔ النحل ۱۶: ۷۲

اور اللہ تعالیٰ نے تم ہی میں سے تمہارے لیے عورتیں پیدا کیں اور پھر ان عورتوں سے تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کیے اور تم کو کھانے کے لیے پاکیزہ چیزیں دیں۔

(ii) قرآن مجید کے مطابق بچے دینوی زندگی کی زینت ہیں، اگرچہ آخرت کے لیے اعمالِ صالح ہی باقی رہنے والے ہیں۔ لیکن دینوی زندگی کی رونق بچوں ہی کے دم سے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا [1]

مال اور بیٹے تو دنیا کی زندگی کی زینت ہیں۔

(iii) بنی اسرائیل پر اپنی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَ اَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ جَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا [2]

اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کی اور تم کو جماعتِ کثیر بنا دیا۔

(iv) ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا احساس دلاتے ہوئے بچوں کا ذکر کیا :

وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ o اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ [3]

اور اس سے ڈرو جس نے تم کو ان چیزوں سے مدد دی جن کو تم جانتے ہو، اس نے تمہیں چوپایوں اور بیٹوں سے مدد دی۔

حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہوئے اس کے انعامات کا ذکر کرتے ہیں اور اس میں مال واولاد کا خصوصی تذکرہ کرتے ہیں :

وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا [4]

اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں باغ عطا کرے گا اور ان میں تمہارے لیے نہریں بہا دیں۔

(vi) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بچوں کی خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا :

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ [1]

---

[1]۔ الکہف۱۸: ۴۶

[2]۔ بنی اسرائیل۱۷: ۶

[3]۔ الشعراء۲۶: ۱۳۲-۱۳۳

[4]۔ نوح۷۱: ۱۲

تو ہم نے اس کو اسحق علیہ السلام کی اور اسحق علیہ السلام کے بعد یعقوب علیہ السلام کی خوشخبری دی۔

(vii) اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے رویہ کا بھی تذکرہ کیا ہے جو انہوں نے نعمت اولاد کے عطا ہونے پر اختیار کیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَ ھَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ[2]

اللہ کا شکر ہے جس نے مجھ کو بڑی عمر میں اسماعیل اور اسحق بخشے، بیشک میرا پروردگار دعا سننے والا ہے۔

(viii) زکریا علیہ السلام کی دعا میں تو باطنی آرزوئیں اور شخصی احتیاجات سمٹ آئی ہیں، یہ ایک دل کی پکار ہے جو براہ راست رب کریم تک پہنچتی ہے۔قرآن مجید نے اسے ان الفاظ میں بیان کیا ہے :

وَ اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّ رَآئِیْ وَ کَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا ○ یَّرِثُنِیْ وَ یَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ وَ اجْعَلْہُ رَبِّ رَضِیًّا[3]

اور میں اپنے بعد اپنے بھائی بندوں سے ڈرتا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے، تُو مجھے اپنے پاس اسے ایک وارث عطا فرما جو میری اور اولاد یعقوب کی میراث کا مالک ہو اور اے میرے پروردگار! اس کو خوش اطوار بنانا۔

(ix) ھُنَالِکَ دَعَا زَکَرِیَّا رَبَّہ قَالَ رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِ[4]

---

[1]۔ ہود ۱۱: ۷۱

[2]۔ ابراہیم ۱۴: ۳۹

[3]۔ مریم ۱۹: ۵-۶

[4]۔ آل عمران ۳: ۳۸

اس وقت زکریا علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے دعا کی اور کہا کہ پروردگار مجھے اپنی جناب سے اولاد صالح عطا فرما، تو بیشک دعا سننے والا ہے۔

مومنین کی صفات کو بیان کرتے ہوئے اس اظہار تشکر کو بیان کیا گیا ہے جو وہ اولاد کی نعمت پر کرتے ہیں :

(x) وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا[1]

وہ جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو ہماری بیویوں کی طرف سے دل کا چین اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیز گاروں کا امام بنا۔

قرآن مجید نے بچوں کے نعمت ہونے پر شاید اس لیے زور دیا ہے کہ اس سے رویوں کی اصلاح ہو گی۔ قرآنی نقطہ نظر سے بچے اللہ تعالٰی کی نعمت ہیں ان کی قدر کرنی چاہیے، انہیں زحمت سمجھ کر ان سے نجات حاصل کرنا نہ صرف کفرانِ نعمت ہے بلکہ انسانی معاشرے کے لیے بے حد نقصان دہ ہے۔ ان سے بد سلوکی کرنا، ان کی پرورش میں کوتاہی برتنا اور ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام نہ کرنا نسل انسانی کی بقا اور اس کے استحکام کے لیے مضر ہے۔

بچوں یا اولاد کے حقوق

اسلامی تعلیمات کی رو سے بچوں کی حفاظت و نگہداشت بہت ضروری ہے۔ اسلام نے بچوں کے حقوق کے سلسلے میں خصوصی ہدایات دی ہیں۔ ان ہدایات پر نظر ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حقوق دو طرح کے ہیں۔

حقوق کی ایک قسم وہ ہے جن کی ادائیگی لازمی ہے اور ان سے کوتاہی کرنا موجب سزا ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جن کا ادا کرنا پسندیدہ ہے اور ان سے کوتاہی کی صورت میں اخلاقی و معاشرتی سزا تو ملتی ہے لیکن قانونی گرفت نہیں ہوتی۔ انہیں ہم آئینی حقوق اور اخلاقی حقوق کا عنوان دے سکتے ہیں۔

اولاد کے آئینی حقوق

اسلام نے اولاد کے معاملے کو صرف والدین کی صوابدید پر ہی نہیں چھوڑا اور نہ ہی معاشرے کے رویے پر انحصار کیا ہے بلکہ بچوں کو قانونی تحفظ فراہم کیا ہے اور ان کے ساتھ روا رکھے جانے والے غلط رویہ کو

---

[1]۔ الفرقان ۲۵: ۷۴

قابل سزا قرار دیا ہے، اسلام نے آغاز سے ہی سے اپنی معاشرتی تنظیم میں بچوں کے حقوق واضح کر دیے ہیں، اسلامی تعلیمات کی رو سے اولاد یا بچوں کے آئینی حقوق یہ ہیں :

۱۔ حقِ زیست

۲۔ حقِ پرورش

۳۔ حق تربیت

۴۔ حقِ میراث

۵۔ حقِ نکاح[۱]

۱۔اولاد کا حقِ زیست:

بچے کا سب سے پہلا آئینی حق، حق زیست ہے۔ مرد اور عوت کا جائز جنسی تعلق صرف تفریح اور لذت کشی نہیں ہے بلکہ یہ تعلق نسل انسانی کے تسلسل کا ذریعہ ہے لہٰذا اس تعلق کے نتیجے میں جو بچہ جنم لیتا ہے اس کا یہ حق ہے کہ اس کی زندگی کو محفوظ بنایا جائے۔ چونکہ وہ اپنی حفاظت نہیں کر سکتا اس لیے والدین اور معاشرے کی ذمہ داری ہے کہ اس کی زندگی کو یقینی بنائیں بعض انسانی معاشروں میں اولاد کو قتل کر دیا جاتا تھا۔ معاشی تنگی کی وجہ سے یا مذہبی عقیدہ کی بنا پر انہیں معبودوں کے لیے قربان کر دیا جاتا تھا۔ قرآن و سنت نے قتل اولاد کو قانونی جرم قرار دیا ہے خواہ معاشی عامل کی وجہ سے ہو یا مذہبی عقیدہ کی بنا پر! بعض عرب قبائل میں لڑکیوں کو زندہ در گور کر دیا جاتا تھا، قرآن نے۔ معاشی، مذہبی اور قبائلی عصبیت کی بنا پر ہونے والی قتلِ اولاد کی تینوں نوعیتوں کو ممنوع قرار دیا۔

(i) معاشی بنیاد پر اولاد کا قتل:

بعض انسانوں کے ظالمانہ رویوں کے باعث وسائل حیات پر چند لوگوں کا قبضہ ہو جاتا ہے اور بقیہ خلق خدا کو وسائل حیات سے کم حصہ ملتا ہے اس لیے بعض اوقات وہ معاشی تنگی کی وجہ سے قتل اولاد جیسے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ انسان کی کم ہمتی یا ظالمانہ معاشی نظام کی مداخلت کی وجہ سے وہ اولاد سے محرومی کا اقدام کر گزرتا ہے۔ قرآن و سنت نے معاشی وجوہ کی بنا پر قتل اولاد کو شدت سے منع کیا ہے، ارشاد خداوندی ہے :

وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا[۱]

۱۔ اسلام کا معاشرتی نظام، ص ۲۲۸

اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرنا کیونکہ ان کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں، کچھ شک نہیں کہ ان کا مار ڈالنا سخت گناہ ہے۔

سورۃ الانعام میں اسی اولاد کے قتل کی ممانعت اس طرح کی گئی :

وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ[2]

ماں باپ سے حسنِ سلوک کرنا، ناداری کے اندیشے سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا کیونکہ تم کو اور ان کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔

(ii) مذہبی بنیاد پر اولاد کا قتل:

مشرکانہ کلچر میں دیوی دیوتاؤں کی نذر میں اولاد کی قربانی کی جاتی تھی، بعض مشرکانہ معاشروں میں اب بھی یہ رسم باقی ہے۔ قرآن اس قبیح رسم کی مذمت کرتا ہے اور اسے احمقانہ عمل قرار دیتا ہے۔ اسلامی تعلیمات نے اس رسم کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کیا، قرآن مجید اس رسم پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے :

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا م بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ حَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ[3]

جن لوگوں نے اپنی اولاد کو بے وقوفی اور بے سمجھی سے قتل کیا اور خدا پر افترا کر کے اس کی عطا کی ہوئی روزی کو حرام ٹھہرایا وہ گھاٹے میں پڑ گئے، وہ بلاشبہ گمراہ ہیں اور ہدایت یافتہ نہیں ہیں۔

وَ كَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَ لِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ[4]

اسی طرح بہت سے مشرکوں کو ان کے شریکوں نے ان کے بچوں کو جان سے مار ڈالنا اچھا کر دکھایا ہے تاکہ انہیں ہلاکت میں ڈال دیں اور ان کے دین کو ان پر خلط ملط کر دیں۔

---

[1]۔ بنی اسرائیل ۱۷: ۳۱

[2]۔ الانعام ۶: ۱۵۱

[3]۔ الانعام ۶: ۱۴۰

[4]۔ الانعام ۶: ۱۳۷

(iii) لڑکیوں کا قتل:

کئی معاشروں میں لڑکیوں کو پیدائش کے فوراً بعد قتل کر دیا جاتا تھا۔ عربوں میں بعض قبائل ایسے تھے جو لڑکیوں کو زندہ در گور کر دیتے۔ قبائلی معاشروں میں بالعموم لڑکی کو ایک بوجھ سمجھا جاتا۔ چونکہ شادی کے بعد اسے کسی دوسرے قبیلے یا خاندان میں جانا ہوتا اس لیے وہ قبیلہ اور خاندان کے لیے مدد و معاون ثابت ہونے کی بجائے بوجھ سمجھی جاتی۔

قرآن مجید نے ان کے اس رویے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا :

وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُھُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْھُه مُسْوَدًّا وَّ ھُوَ كَظِيْمٌ O يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِه اَيُمْسِكُه عَلٰى ھُوْنٍ اَمْ يَدُسُّه فِى التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ[1]

اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خبر ملتی ہے تو اس کا چہرہ غم کے سبب کالا پڑ جاتا ہے اور اس کے دل کو دیکھو تو وہ اندروہناک ہو جاتا ہے۔ اور اس خبر بد کی وجہ سے وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اور سوچتا ہے کہ آیا ذلت برداشت کر کے لڑکی کو زندہ رہنے دے یا زمین میں گاڑ دے۔ دیکھو یہ جو تجویز کرتے ہیں بہت بری بات ہے۔

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُھُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْھُه مُسْوَدًّا وَھُوَ كَظِيْمٌ[2]

اور جب ان میں سے کسی کو اس چیز کی خوشخبری دی جاتی ہے جو انہوں نے اللہ کے لیے بیان کی ہے تو اس کا منہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غم سے بھر جاتا ہے۔

قرآن و سنت نے ان تینوں اقسام کے قتل کو ممنوع فرمایا ہے اور اولاد کی نعمت کو پہچاننے کا سلیقہ سکھایا۔ اس قتل کو قانونی طور پر جرم قرار دیا اور قابل سزا بنایا۔ کتب حدیث میں وہ تفصیلی واقعات موجود ہیں جو قتل اولاد کی سنگینی پر دلالت کرتے ہیں۔ اولاد اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے اور اسے کسی طرح بھی ختم کرنا درست نہیں، اولاد کی محبت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مظہر ہے اور اس سے نوع انسانی کی بقا ہے۔[3]

---

[1]۔ النحل ۱۶: ۵۸-۵۹

[2]۔ الزخرف ۴۳: ۱۷

[3]۔ اسلام کا معاشرتی نظام، ص ۲۳۰

۲۔اولاد کا حقِ پرورش

بچے کا دوسرا حق، پرورش ہے۔ پرورش سے مراد وہ طریق کار ہے جو بچے کی زندگی اور اس کی نشو و نما کا ضامن ہو۔ اسلام نے والدین کو اپنے بچوں کی بقا اور نشو و نما کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے، اور اس کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔

نومولود خورد و نوش کے لیے بھی دوسروں کا محتاج ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے والدین کو اس امر کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے کہ وہ اپنے بچوں کی خوراک کا انتظام کریں، انہیں بیماریوں سے بچائیں اور حادثات سے محفوظ رکھیں۔ قرآن و سنت نے والدین پر فرض عائد کیا کہ وہ بچے کی عمر کے مطابق خوراک اور لباس کا انتظام کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد سے اس ذمہ داری کا عمومی تصور ملتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

> كُلُّكُمْ رَاعٍ وَّكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِه فَالْوالِدُرَاعٍ فِيْ اَهْلِه وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيتِه وَالْمَرْأَةُ رَعِيَّتِه فِيْ مال زَوْجِهَا وَوَلِدِه وَمَسْئُوْلة عَنْ رَعِيَّتِهَا وَالْخَادِمْ رَاعٍ فِيْ مَالِ سَيدِه وَمَسْئُوْلُ عَنْ رَعِيَتِه الا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَّكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعَيَتِه[1]
>
> تم سب اپنے اہل خانہ کے کفیل اور ذمہ دار ہو، باپ اپنے خاندان کی کفالت کرتا ہے اور اپنے گھر والوں کا ذمہ دار ہے۔ عورت اپنے شوہر کے مال اور اولاد کی نگران ہے اور اپنے گھر والوں کی ذمہ دار ہے اور خادم اپنے مالک کے مال و اسباب کا نگران ہے اور اس کام کا ذمہ دار ہے۔ تم سب اپنے لواحقین کے کفیل اور ذمہ دار ہو۔

والدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کی پرورش پر توجہ دیں اور ان کی ضرویات پوری کریں ان کی غذا کا خیال رکھنا ان کو گرمی و سردی سے محفوظ رکھنا اور بیماریوں سے بچاؤ کا اہتمام کرنا ان کے فرائض میں شامل ہے۔ والدین کی غفلت سے بچے شدید جسمانی و نفسیاتی عوارض کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بچے اپنی ابتدائی عمر میں شدید توجہ کے محتاج ہوتے ہیں پرورش کے ضمن میں خوراک، لباس، صاف ستھرا ماحول اور محبت و شفقت کا رویہ سب شامل ہیں۔ بچہ اپنی ابتدائی زندگی میں جس خوراک کا محتاج ہوتا ہے مشیت ایزدی نے اس کا انتظام ماں کے دودھ کے طور پر کر دیا ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے خصوصیت کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے :

---

[1] ۔ الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الجمعۃ، ج ۱، ص ۱۱

وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَه رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا[1]

جو باپ چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد پوری مدت رضاعت تک دودھ پیئے، تو مائیں اپنے بچوں کو دو سال تک دودھ پلائیں۔اس صورت میں بچے کے باپ کو معروف طریقے سے انہیں کھانا اور کپڑا دینا ہوتا ہے مگر کسی پر اس کی وسعت سے بڑھ کر بار نہ ڈالنا چاہیے۔

پرورش میں مساوی سلوک

غذا، لباس اور رہن سہن میں بچوں کے ساتھ مساوی رویہ اختیار کرنا اسلام کا تقاضا ہے، قبائلی معاشروں میں لڑکوں کو ترجیح دی جاتی ہے اور خوراک اور لباس میں امتیازی رویہ رکھا جاتا ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امتیازی رویہ کو ناپسند فرمایا اور امت کو ہدایت کی ہے کہ وہ مساوات کی روش اپنائیں، عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں :

جاء تنى امرأة ومعها ابنتان تسالنى فلم تجد عندى غير تمرة واحدة فاعطيتها فقسمتها بين ابنتيها ثم قامت فخرجت، فدخل النبى صلى الله عليه وسلم فحدثته فقال: من بلى من هذه البنات شيئاً فأحسن اليهن كن له سترا من النار[2]

ایک عورت میرے پاس آئی اور اس کے ہمراہ اس کی دو بیٹیاں تھیں، اس نے میرے پاس ایک کھجور کے سوا کچھ نہ پایا تو میں نے اسے وہی دے دی، پھر اس نے اسے اپنی بیٹیوں پر بانٹ دیا اور اس میں سے خود نہ کھایا، پھر اٹھ کر باہر چلی گئی۔اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ سلم گھر آئے اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جوان بیٹیوں کی آزمائش میں ڈالا گیا اور اس نے ان سے اچھا سلوک کیا تو وہ اس کے لیے آگ سے آڑ ہوں گی۔

کئی احادیث میں اس موضوع کو بیان کیا گیا ہے ان میں سے دو کو یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

---

[1]۔ البقرۃ۲: ۲۳۳

[2]۔ الجامعہ الصحیح للبخاری، کتاب الادب، باب رحمۃ الولد، ج۲، ص۸۸۷

عن انس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من عال جاريتين دخلت انا وهو الجنة كهاتين واشار باصيعيه[1]

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی وہ اور میں جنت میں اس طرح داخل ہوں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں کو ملایا۔

عن ابن عباس رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من كانت له انثى فلم يئدها ولم يهنها ولم يوثر ولده عليها (يعنى الذكور) ادخله الله الجنة [2]

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کی عورت (بہن بیٹی) ہو اور وہ اسے زندہ نہ گاڑے اور اس کی توہین نہ کرے اور لڑکوں کو ان پر ترجیح نہ دے اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔

پرورش میں تمام مادی سہولتوں کی فراہمی شامل ہے جب تک بچوں کو احتیاج رہتی ہے اس وقت تک والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ وسائل مہیا کریں اور ان کو تحفظ فراہم کریں۔

۳۔ اولاد کا حقِ تربیت

اگرچہ پرورش میں تربیت شامل ہے لیکن اسے الگ رکھا گیا تاکہ اس کی اہمیت واضح ہو۔ پرورش میں جسمانی نشوونما اور تحفظ کو نمایاں حیثیت حاصل ہے جبکہ تربیت کا تعلق ذہنی اور روحانی نشوونما سے ہے۔ والدین جس طرح بچے کے لیے جسمانی آسودگی اور مادی آسائشوں کا اہتمام کرتے ہیں اسی طرح ذہنی و روحانی آسائش اور سکون فراہم کرنا بھی ان کی ذمہ داری ہے۔ بچے کی متوازن شخصیت کی نشوونما کے لیے ذہنی و روحانی سہولتیں بے حد ضروری ہیں۔ تربیت میں سب سے زیادہ اہم دو چیزیں ہیں، ایک تعلیم اور دوسرے آداب زندگی !

اولاد کی تعلیم

تعلیم انسانی شخصیت کا زیور ہے، بچے کی شخصی نشوونما کے لیے تعلیم بہت اہم ہے، علم کی فضیلت پر قرآن واحادیث میں بہت زیادہ آیات واقوال نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیان کیے گئے ہیں۔ آج کے حالات میں جو

---

[1]۔ الجامع الصحیح للترمذی، کتاب البر والصلۃ، ج ۲، ص ۱۴

[2]۔ السنن لابی داؤد، کتاب الادب، ج ۲، ص ۷۰۰

علوم و فنون انسانی زندگی کے لیے مفید ہیں، ان کا حصول ضروری ہے۔ والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اولاد کو اسلامی علوم کے ساتھ مروجہ سائنسی و عمرانی علوم سکھائیں۔

آدابِ زندگی

بچے کو نظم و ضبط سکھانا اس میں اچھی عادتیں اور اعلیٰ اخلاق پیدا کرنا والدین کا فرض ہے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :

عَن جابر بن سمرة رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لَاَنْ يُؤَدَّبَ اَحَدُكُمْ وَلَدَه خَيْرٌ لَّه مِنْ اَنْ يَتَصَدَّق بِصَاعٍ[1]

اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے بچے کو ادب سکھاتا ہے یہ اس کے لیے اس کام سے بہتر ہے کہ وہ ہر روز ایک صاع خیرات کرے۔

مغرب نے بچوں کی تربیت کے حوالے سے آزادی و خود مختاری کا جو نظریہ پیش کیا ہے اس کے نتیجہ میں ایک آزاد بے ادب، غیر منظم اور بد لحاظ افراد کا گروہ وجود میں آیا ہے جنہیں اپنی ذات کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اسلام اس کے مقابلے میں ایک ذمہ دار، منظم اور دوسروں کے لیے خیر خواہی رکھنے والے افراد تشکیل کرتا ہے۔ اسلام نے اچھی تربیت کو ثواب سے منسلک کیا ہے۔ وہ والدین کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت کا انتظام کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

اَكْرِمُوْا اَوْلَادَكُمْ وَاَحْسِنُوْا اَدَبَهُمْ[2]

اپنے بچوں کی تکریم کرو اور انہیں ادب و تمیز سکھاؤ۔

بچے کی تعلیم و تربیت اس لیے بھی اہم ہے کہ وہ معاشرے کی اساس ہے۔ فرد سے خاندان اور خاندان سے معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ اچھے افراد جو تربیت یافتہ اور زیورِ علم سے آراستہ ہوں گے وہ معاشرے کو جنت کا نمونہ بنائیں گے۔ وہ ایسا ماحول تشکیل دیں گے جس میں تمام افراد خوش حال زندگی بسر کر سکیں۔ غیر تربیت یافتہ افراد کے نتیجہ میں غیر مہذب معاشرہ وجود میں آتا ہے جو مزید انتشار اور فساد کا باعث بنتا ہے اس لیے اسلام نے بچے کی تعلیم و تربیت دونوں پر زور دیا ہے اور اسے آزاد اور بے مہار نہیں چھوڑا۔

---

[1] ۔ الجامع الصحیح للترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی ادب الولد، ج ۲، ص ۱۷

[2] ۔ السنن لابن ماجہ، کتاب الادب، باب بر الوالد والاحسان الی البنات، ج ۲، ص ۱۱-۱۲

۴۔ اولاد کا حقِ میراث

اولاد کے آئینی حقوق میں ایک حق، میراث کا ہے۔ اسلام نے اولاد کو باپ کی جائیداد میں نہ صرف شریک کیا بلکہ ان کے حصے بھی متعین کر دیے تاکہ کوئی ظلم نہ ہو سکے۔ بعض معاشروں میں صرف بڑے بیٹے وارث ہوتے ہیں، قدیم معاشروں میں بیٹیوں کو حصہ نہیں ملتا تھا۔ قرآن نے ان کا حصہ متعین کیا اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی وضاحت کر دی کہ باپ کو کسی جائز وجہ کے بغیر قانونی طور پر اولاد کو جائیداد سے محروم کرنے کا کوئی حق نہیں۔ وہ کوئی ایسا اقدام نہ کرے جس سے ان کی حق تلفی ہو، قرآن مجید میں ہے :

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ[1]

اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے سلسلے میں، لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔

اس پر ہمارے مفسرین اور قانونی ماہرین نے مفصل بحثیں کی ہیں کہ لڑکی کا حصہ آدھا کیوں ہے۔ یہاں صرف اتنا بتا دینا کافی ہو گا کہ قرآن نے لڑکی کا کچھ حصہ متعین کیا ہے جب کہ دوسرے معاشروں میں کچھ بھی نہیں تھا۔ پھر لڑکی کئی اور طریقوں سے بھی اپنا حق وصول کرتی ہے۔ بیٹی کی حیثیت سے اور بیوی کی حیثیت سے اس کے حصے متعین ہیں۔ پھر مہر ہے، نان و نفقہ کی ذمہ داری خاوند کی ہے۔ اسے کئی پہلوؤں سے رعایت دی گئی ہے جو اس کے نصف حصہ کی کمی پوری کرنے کا باعث بنتی ہے۔ چونکہ اولاد میں بیٹے اور بیٹیاں دونوں شامل ہیں اس لیے ان کے حقِ وراثت کو قانونی حیثیت دی گئی اور والدین کو یہ حق نہیں کہ وہ انہیں محروم کر دیں۔

۵۔ اولاد کا حقِ نکاح

اولاد کا ایک حق یہ بھی ہے کہ والدین ان کے نکاح کا انتظام کریں۔ بحیثیت مجموعی معاشرہ اور والدین اس بات کے پابند ہیں کہ وہ اپنے جوان بچوں کی زندگی کی تنظیم کے لیے مناسب قدم اُٹھائیں۔ قرآن و سنت میں نکاح کے متعلق واضح احکام موجود ہیں۔ ایک روایت کے مطابق والدین کی غفلت کی وجہ سے اولاد اگر گناہ کا ارتکاب کرتی ہے تو اس میں والدین کا بھی حصہ ہے۔ یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے لیکن ایک اہم پہلو کی نشاندہی کرتی ہے۔

[1]۔ النساء۴: ۱۱

آزاد معاشروں اور جاہلیت قدیمہ وجدیدہ میں نکاح کی اہمیت کو نظرانداز کیا گیا ہے۔ جنسی آزادی کو انسانی حق قرار دیا گیا ہے جس سے معاشرے کی تنظیم اور اس کی اخلاقی وروحانی حیثیت کو شدید نقصان پہنچا ہے۔اولاد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے ساتھی کا انتخاب کرے لیکن والدین پر راہنمائی کرنے، وسائل مہیا کرنے اور انتخاب کرنے میں سہولت پیدا کرنے کی ذمہ داری ہے۔اسلام آزادنہ جنسی اختلاط کو معاشرے کے اخلاقی وجود کے لیے خطرناک سمجھتا ہے۔عفت وعصمت اور غیرت وحیاء کو بنیادی اجتماعی اقدار قرار دیتا ہے اس لیے نکاح کو آسان بنانے اور جنسی بے راہ روی کو روکنے میں والدین اور معاشرے کو مل کر کردار ادا کرنا چاہیے۔ نکاح کے سلسلے میں والدین پر ذمہ داری عائد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ معاشرے کی اخلاقی قدروں کے تحفظ کے لیے اپنا کردار ادا کریں۔

اولاد کے اخلاقی حقوق

اخلاقی حقوق ایسے حقوق ہیں جنہیں اخلاقی طور پر پورا کرنا ضروری ہو۔ادا نہ کرنے کی صورت میں کوئی قانونی گرفت نہ ہو۔ان میں چند یہ ہیں :

☆اولاد کا اچھا نام رکھنا ☆عقیقہ کرنا ☆روحانی تربیت کرنا ☆ختنہ کرانا

یہ اتنے معروف ہیں کہ ان کی تفصیلات کا ذکر یہاں مقصود نہیں ہے۔

خلاصہ بحث

اسلام نے انسان کی فلاح و کامیابی کا پورا پورا انتظام کیا ہوا ہے۔ کتابوں اور نبیوں کے ذریعے تمام اُموراور ذمہ داریاں نبھانے اور کامیاب زندگی گزارنے کے اُصول سمجھا دیے ہیں۔

قرآن ہر ہر پہلو پر انسان کی رہنمائی کرتا ہے، مرد وعورت کے حقوق وفرائض متعین وواضح کر دیے ہیں۔ محرم وغیر محرم، پردہ، شادی، طلاق، والدین اور اولاد کی حیثیت اور زوجین کی حیثیت سے خاندان میں کامیاب زندگی گزارنے کا ڈھنگ سکھا دیا ہے۔ اگر قرآن کے عطا کردہ اُصولوں کے تحت انسان اپنے معاملات چلائے گا تو اللہ کی مدد ونصرت اور برکت ووسعت اس دنیا کے جملہ کاموں میں مل جائے گی اور آخرت کی زندگی میں ابدی عیش وعشرت اسے حاصل ہو جائے گی اور اگر قرآنی احکامات کو نظرانداز کرتے ہوئے اللہ کی نافرمانی کی، رحمان کی بندگی کی بجائے شیطان کی پیروی کی، شکران نعمت کی بجائے کفران نعمت کیا، روحانیت اور شریعت کو خیر باد کہہ کر اپنے نفس اور مادی لوازمات کو معیار بنا لیا تو اس دنیا میں بھی قدم بہ قدم مصائب و پریشانی سامنے آئے گی اور آخرت میں تو ہمیشہ کے لیے ذلت ورسوائی کا سامنا ہو گا۔

قرآنی رہنمائی، پیغمبر اُمت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلوب پر عمل پیرا ہو کر معاشرے کا ہر فرد سلامتی، صحت و عافیت اور راحت و مسرّت کے الٰہی وعدوں کا مستحق ٹھہر سکتا ہے۔ سورۃ النحل آیت نمبر ۹۷ میں ارشادِ الٰہی ہے :

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّه حَيٰوةً طَيِّبَةً وَّ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔

جو شخص کوئی نیک کام کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشر طیکہ وہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس شخص کو دنیا میں بالطف زندگی دیں گے اور آخرت میں ان کے اچھے کاموں کے عوض، ان کا اجر دیں گے۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَه O وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَه[1]

پس جو شخص دنیا میں ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ وہاں اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا، وہ اس کو پالے گا۔

[1]۔ الزلزال ۹۹: ۷-۸

منابع

۱. قرآن کریم

۲. میر ولی الدین، قرآن اور تعمیر سیرت، پروگریسو بکس، لاہور

۳. خالد علوی، ڈاکٹر، اسلام کا معاشرتی نظام، الفیصل ناشران، لاہور، ۲۰۰۴ء

۴. Benson, Religion in Contemporary Cultures

۵. Spencer, H., Principles of Sociology, William & Norgate, London, 1885

۶. ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر (مترجم: مولانا محمد صاحب جوناگڑھی)، اسلامی کتب خانہ لاہور

۷. البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، باب کثرۃ النساء، مطبع مصطفی البابی الحلبی، مصر، ۱۳۴۵ھ

۸. الدھلوی، شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ (مترجم: مولانا عبدالحق حقانی)، دارالاشاعت، کراچی، س۔ن،

۹. ظفیر الدین، مولانا، اسلام کا نظام عفت و عصمت، دارالاشاعت، کراچی، ۱۴۱۳ھ

۱۰. عمری، سید جلال الدین، عورت اسلامی معاشرہ میں، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، سترہواں ایڈیشن، ۲۰۰۹ء

۱۱. التبریزی، خطیب، ولی الدین محمد بن عبداللہ، مشکوۃ المصابیح، طبع اصح المطابع، دہلی، س۔ن

۱۲. القشیری، مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، ابواب البر والصلۃ، طبع محمد بن علی واولادہٗ، مصر، ۱۳۳۴ھ

۱۳. الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، الجامع الصحیح، طبع منیریۃ، مصر، ۱۹۳۱م

۱۴. ابو داؤد، السجستانی، سلیمان بن اشعث، السنن، کتاب الجہاد، باب فی الرجل یغزو ولہٗ ابواہ کارھان، السنن لابن ماجہ، کتاب الجہاد باب الرجل یغزو ولہٗ ابوان

۱۵. ابن حنبل، احمد، المسند، بولاق، مصر، س۔ن